
تعلیم و تربیت
مارچ 2017
نئی بہار

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
76 واں سال گیارہ شمارہ
پاکستان میں سب سے زیادہ پڑھا جانے والا
بچوں کا محبوب رسالہ

تعلیم و تربیت



مارچ 2017ء

اس شمارے میں

اور بہت سے دلچسپ تراشے اور سلسلے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

عراق کے مشہور شہر بغداد میں ایک اللہ والے بزرگ رہتے تھے۔ وہ دل کے سخی تھے مگر غریب تھے۔ کوئی سوالی آتا تو اسے خالی ہاتھ لوٹاتے ہوئے بہت کڑھتے۔ سوچ سوچ کر انہوں نے ایک تدبیر نکالی۔ انہوں نے امیر لوگوں سے قرض لے کر ایک سرائے بنوائی جو خانقاہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہاں پردیسی، مسافر اور بے گھر لوگ آکر سر چھپاتے، دن رات لنگر تقسیم ہوتا، حاجت مندوں کی ضرورتیں پوری کی جاتیں اور بزرگ دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے۔ مزے کی بات یہ تھی کہ وہ جس سے بھی قرض مانگتے، کوئی انکار نہ کرتا اور نہ کبھی واپس مانگتا۔ اس طرح قرض کی رقم بڑھتی ہی گئی اور بزرگ نے لوٹانے کی کبھی فکر نہ کی۔ بس اللہ پر بھروسا کیے اپنے کام میں لگے رہے۔ موت تو برحق ہے۔ ایک دن سب کو اس فانی دُنیا سے کوچ کر جانا ہے۔

بس قضائے الٰہی سے ان بزرگ کا بھی وقت آن پہنچا۔ بیمار پڑے اور بستر مرگ پر دراز ہو گئے۔ شہر میں خبر پھیلی تو قرض خواہ جوق در جوق جمع ہوگئے اور خدمت میں حاضر ہو کر مزاج پرسی کے بعد مطلب کی بات پر آئے کہ "یا مرشد! آپ تو اس دُنیا سے جا رہے ہیں۔ ہماری رقم کا کیا ہوگا؟"

بزرگ فرمانے لگے۔ "گھبراؤ نہیں، اللہ پر بھروسا رکھو۔ میرا ایمان ہے کہ وہ ضرور کوئی صورت غیب سے پیدا کر دے گا اور مجھے شرمندہ نہیں ہونے دے گا۔"

قرض خواہ بولے۔ "لو یہ بھی کوئی بات ہوئی! آپ کا تو آخری وقت آ پہنچا، اب ہمیں اللہ پر بھروسا کرنے کی تلقین کر رہے ہیں جیسے کوئی فرشتہ رقم لے کر اللہ کے ہاں سے آئے گا!" بزرگ نے جواب دیا۔ "بے شک فرشتہ ہی آئے گا!" اتنے میں گلی میں ایک خوانچہ فروش لڑکے کی آواز آئی۔ "حلوا، گرم حلوا کھاؤ۔" آواز سن کر بزرگ چونکے اور ایک مرید کو حکم دیا کہ حلوے والے کو بلائے۔ لڑکا خوانچہ اٹھائے اندر آیا تو بزرگ نے پورے کا پورا تھال قرض خواہوں کے سامنے رکھوا دیا اور انہیں کھانے کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا: "آپ لوگ صبح سے بھوکے بیٹھے ہیں، یہ حلوا چکھیں۔"

حلوا خوش بودار اور لذیذ تھا۔ چند منٹ میں پورا تھال خالی ہوگیا۔ حلوا فروش لڑکے نے حلوے کی قیمت مانگی تو بزرگ کہنے لگے۔ "تو بھی ابھی میں بیٹھ جا۔ جو ان کو دے گا، تجھے بھی دے گا۔" یہ سن کر لڑکے نے واویلا مچا دیا۔ "میری ماں تو میری چمڑی اُدھیڑ دے گی۔ یہ کیا ظلم ہے کہ حلوا لے لیا اور پیسے نہیں دیتے؟" لڑکا روتا دھوتا رہا اور بزرگ منہ ڈھانپ کر سوتے بن گئے۔ لوگ طرح طرح کی باتیں بنا رہے تھے اور وہ منہ ڈھانپے دل ہی دل میں اللہ سے لو لگائے دعا مانگ رہے تھے۔ اتنے میں ایک شخص بڑا سا تھال اُٹھائے اندر داخل ہوا۔ تھال کے اوپر خوان پوش پڑا تھا۔ اس نے بزرگ کی خدمت میں حاضر ہو کر تھال بستر کے قریب رکھ دیا اور عرض کی: "یا حضرت! یہ نذرانہ میرے آقا نے حضور کی خدمت میں بھیجا ہے، اسے قبول فرمایئے۔"

بزرگ نے منہ پر سے کپڑا ہٹا کر دیکھا اور مسکرائے۔ پھر تھال پر ڈھکا خوان ہٹایا۔ تھال میں اشرفیوں کے توڑے رکھے تھے اور ایک طرف چند درہم بھی پڑے تھے جو حلوے کی قیمت کے برابر تھے۔ بزرگ نے درہم اُٹھا کر لڑکے کو دیے اور اشرفیاں قرض خواہوں میں تقسیم کر دیں، جو عین ان کے قرض کے مطابق نکلیں۔ یہ کرامت دیکھ کر سب نے بزرگ سے معافی مانگی۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے دعائیں دیں اور کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے منہ ڈھانپ لیا۔ پھر بڑے اطمینان سے آخری سانس لیا۔ جو شخص صدق دل سے اللہ پر بھروسا کرے، وہ کبھی اسے مایوس نہیں کرتا۔

پیارے بچو! یقیناً اللہ تعالیٰ کی ذات کل کائنات کی خالق و مالک ہے۔ ہمیں اس ذات پر کامل یقین اور بھروسا ہے۔ اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ وہ ذات پتھر کے اندر کیڑے کو بھی رزق دیتا ہے۔

فی امان اللہ! (ایڈیٹر)

ایڈیٹر، پبلشر: ظہیر سلام
اسسٹنٹ ایڈیٹر: عابدہ اصغر
سرکولیشن اسسٹنٹ: محمد بشیر راہی

خط و کتابت کا پتا
ماہنامہ تعلیم و تربیت 32۔ ایمپریس روڈ، لاہور۔
UAN: 042-111 62 62 62 Fax: 042-36278816
E-mail:tot.tarbiatfs@gmail.com
tot tarbiatfs@live.com

پرنٹر: ظہیر سلام
مطبوعہ: فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، لاہور۔
ہیڈ آفس و شوروم: 81۔ ڈی/1، مین بلیوارڈ، گلبرگ، لاہور۔

سالانہ خریدار بننے کے لیے سال بھر کے شماروں کی قیمت پیشگی بینک ڈرافٹ یا منی آرڈر کی صورت میں سرکولیشن منیجر: ماہنامہ "تعلیم و تربیت" 32۔ ایمپریس روڈ، لاہور کے پتے پر ارسال فرمائیں۔
فون: 36361309-36361310 فیکس: 36278816

پاکستان میں (بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک) = 1000 روپے۔
مشرق وسطیٰ (ہوائی ڈاک سے) = 2400 روپے۔
ایشیاء، افریقہ، یورپ (ہوائی ڈاک سے) = 2400 روپے۔
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، مشرق بعید (ہوائی ڈاک سے) = 2800 روپے۔

قیمت فی پرچہ 35 روپے



حمدِ باری تعالیٰ

خدائے مصطفےٰ میرا خدا ہے
جو سب بے آسروں کا آسرا ہے
جو ہے معبود ، معبودِ حقیقی
اسی کے سامنے یہ سر جھکا ہے
نہیں مخفی کوئی بھی بات اس سے
دلوں کے بھید سارے جانتا ہے
بنایا لفظ کُن سے سب جہاں کو
وہ قادر ہے یہ ہر اک جانتا ہے
وہ سب مخلوق کا روزی رساں ہے
وہ پتھر میں بھی سب کو پالتا ہے
جسے چاہے عمر میں دے درازی
جسے چاہے وہ پل میں مارتا ہے
جسے دیتا ہے رزق بے بہا وہ
اسے وہ آزمانا چاہتا ہے
نہ اس کو نیند نہ ہی اونگھ آئے
ازل سے ہر گھڑی وہ جاگتا ہے



نعت رسولِ مقبول ﷺ

ٹھکانا ہے زمیں پر آسمانوں تک رسائی ہے
محمدؐ مصطفےٰ نے کیا انوکھی شان پائی ہے
میدانِ حشر میں سب کو جمع کرنے کا مقصد ہے
خدائے پاک نے محبوب کی محفل سجائی ہے
گناہ گاروں کو دوزخ سے بچانا اس کے بس میں ہے
خدا نے دُنیا والوں کو یہ خوش خبری سنائی ہے
جو پڑھتا ہے درود پاک ان کی پاک ہستی پر
یقینی بات ہے اس کی جہنم سے رہائی ہے
بروزِ حشر ہوں امیدوار انؐ کی شفاعت کا
محبت پیارے آقا کی مرے دل میں سمائی ہے
وہی یٰسں وہی طٰہٰ مزمل بھی مدثر بھی
خدا نے آپؐ کی خاطر یہ سب دُنیا بنائی ہے
وہ ہیں مخلوق میں افضل وہ ہیں مخلوق میں اعلیٰ
قمر سارے جہاں میں آپؐ کی فرماں روائی ہے

ریاض حسین قمر



پہلے تولو پھر بولو

محمد طیب الیاس

پیارے بچو! اللہ تعالیٰ کے پیارے ناموں میں سے ایک نام "الرحمٰن" اور دوسرا نام "الرحیم" ہے۔ کسی بھی اچھے کام کو شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے کا کہا جاتا ہے، اس میں یہ دونوں نام موجود ہیں۔ رحمٰن کے معنی ہیں "بڑا رحم والا" اور رحیم کے معنی ہیں "رحم سے بھرا ہوا"۔ اللہ رب العزت کی ذات رحم اور شفقت کے لیے اصل ہے، اس کی رحمت کے جلوے ہر سو ہیں، دُنیا میں جو رحم دلی کے مناظر نظر آتے ہیں یہ سب رحمت خداوندی کا عکس ہیں۔

ایک حدیث میں ہے نبی پاکؐ نے ارشاد فرمایا: "اللہ کے پاس سو رحمتیں ہیں، اس نے ان میں سے ایک رحمت جنوں، انسانوں، چوپایوں اور کیڑے مکوڑوں کے درمیان اُتار دی ہے۔ پس اسی ایک حصۂ رحمت کی وجہ سے وہ ایک دوسرے پر نرمی کرتے اور رحم سے پیش آتے ہیں اور اسی کی وجہ سے وحشی جانور اپنے بچے پر مہربانی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ننانوے رحمتیں پیچھے رکھ چھوڑی ہیں، جن کے ساتھ وہ قیامت کے دن اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔" (مسلم، کتاب التوبۃ 2752)

معلوم ہوا کہ ایک دوسرے سے رحم دلی اور شفقت سے پیش آنا، اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، اسی لیے اس نے رحمت کا ایک حصہ دُنیا میں نازل فرمایا ہے۔ جو شخص رحم دلی اور شفقت کے جذبات سے ناآشنا ہو تو یہ سنگ دلی اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے محرومی کی علامت ہے۔
چناں چہ نبی پاکؐ کا ارشاد ہے: "اس شخص کے دل سے رحمت نکال لی جاتی ہے جو بد بخت ہو۔"

(ترمذی، ابواب البر والصلۃ 1923)

ایک مرتبہ ایک بدو (دیہاتی) نے نبی پاکؐ کی خدمت میں عرض کیا: "آپ لوگ بچوں کو چومتے ہیں، لیکن ہم لوگ ایسا نہیں کرتے؟ آپؐ نے فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل سے رحمت کو نکال لیا تو میرا کیا زور ہے؟"

(بخاری، کتاب الادب 5998)

ہمارے پیارے نبیؐ کے بارے میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:
"اور ہم نے تمھیں سارے جہانوں کے لیے رحمت ہی رحمت بنا کر بھیجا ہے۔" (الانبیاء:107)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو "رحمت للعالمین" کا مبارک لقب عطا فرمایا ہے۔ نبی پاکؐ کے اخلاق عالیہ میں شفقت اور رحم دلی کا ہمیشہ مظاہرہ ہوتا رہتا تھا۔ آپؐ رحمت للعالمین تھے، آپ نے دوسروں کو بھی رحم دلی کا ہی سبق دیا۔

ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں فرماتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔"

(بخاری، کتاب التوحید:7376)

ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "رحم کرنے والوں پر خدائے رحمٰن رحم فرماتا ہے۔ تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔" (ترمذی، ابواب البر والصلۃ:1924)

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر
خدا مہرباں ہو گا عرشِ بریں پر

ایک حدیث میں نبی پاکؐ نے ارشاد فرمایا: "مؤمنین کو ایک دوسرے پر رحم کرنے اور آپس میں محبت اور شفقت کرنے میں ایسا ہونا چاہیے جیسے ایک ہی جسم ہو۔ جسم کے کسی عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم جاگتا رہتا ہے اور سارے جسم کو بخار چڑھ جاتا ہے۔" (بخاری، کتاب الادب:6011، مسلم، کتاب البر 2586)

معلوم ہوا کہ جس طرح ایک عضو کے دکھ میں سارا جسم شریک ہو جاتا ہے، اسی طرح ایک مسلمان کے دکھ میں تمام مسلمانوں کو شریک ہونا چاہیے۔

پیارے بچو! ہمیں آپس میں مل جل کر رہنا چاہیے، کسی کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھنا چاہیے اور ممکن حد تک اس کے دکھ کو دُور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہماری طرف متوجہ ہو جائے۔

☆☆☆



اُستاد کا فرض

صداقت حسین ساجد

کئی سال پہلے میں مری کے ایک اسکول میں اُستاد تھا۔ ہمارا اسکول صرف ایک کمرے کا تھا۔ اس کا ایک دروازہ اور ایک ہی کھڑکی تھی، جو باہر کی طرف کھلتی تھی۔ وہ اسکول گاؤں سے سو میٹر سے زیادہ فاصلے پر نہ تھا۔ میرے پاس بتیس طلباء تھے۔ ان میں پندرہ اول، آٹھ دوم، چھ سوم اور صرف تین چہارم میں تھے۔

جب مجھے اس اسکول میں بھیجا گیا تو برف باری کا موسم قریب تھا۔ جب برف باری زور پکڑتی تو اسکول بند ہو جاتے تھے۔ بچے جو دو تین ماہ سے کسی اُستاد کے بغیر تھے، مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور انہوں نے خوب جشن منایا۔ چار پانچ دن تو اسکول، اسکول نہ لگا۔ آخر مجھے خود کوشش کر کے اسکول کے بچوں کو پہاڑوں پر سے ڈھونڈنا پڑا۔ ان میں سے اکثر ایک قالین بنانے والے کارخانے میں ملازم تھے۔ جب اسکول بند ہو جاتے تو زیادہ تر بچے وہیں کام کرتے۔ آخر کار میں انہیں جماعت میں بٹھانے میں کامیاب ہو گیا۔

چند ہفتے بعد برف باری شروع ہو گئی۔ فرش بھی جیسے جم گیا۔ ایک دن جب سورج نکل آیا اور برف بھی پگھل کر نرم اور چمک دار ہو گئی، میں اسکول میں سوم اور چہارم کو املا لکھوا رہا تھا۔ میں کھڑکی سے باہر اوّل اور دوم کے طلباء کو کھیلتے ہوئے بھی دیکھ سکتا تھا۔ مجھے لگا کہ بچے ایک آوارہ کتے کو برف کے گولے بنا کر مار رہے ہیں اور ایک نے تو آگے ہو کر اس کے سر پر برف مل بھی دی تھی۔

بچے بھی آخر بچے ہوتے ہیں۔ گرمیوں میں اگر کتوں کو پتھر مارتے ہیں تو سردیوں میں برف کے گولوں سے کام لیتے ہیں۔

کچھ دیر گزری تھی کہ کسی بچے کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

میٹھے چقندر...... میرے ساتھیو! گرم اور میٹھے چقندر لے لو۔“

”کاظم! یہ کون ہے؟“ میں نے جماعت کے مانیٹر سے دریافت کیا۔ ”یہ ضرور شمشیر ہوگا...... سر! یہ سردیوں میں میٹھے چقندر بیچتا ہے...... اگر آپ کی اجازت ہو، تو میں اسے اندر بلا لوں؟“

میرے سر ہلانے پر کاظم نے دروازہ کھولا تو شمشیر اپنے میٹھے چقندروں سے بھرا ہوا مٹی کا برتن سر پر اُٹھائے اندر داخل ہوا۔

ایک پُرانی شال اس کے سر پر لپٹی تھی۔ ایک پاؤں میں تو اس نے ربڑ کا جوتا پہن رکھا تھا جب کہ دوسرے میں کسی بڑے آدمی کا

جوتا تھا۔ اس کی جرسی بھی اس کی جسامت سے بہت بڑی تھی۔ ناک کی پھنگ ٹھنڈ کی وجہ سے سرخ ہو رہی تھی۔ اس کی عمر زیادہ سے زیادہ بارہ سال ہوگی۔ اس نے سلام کیا۔ پھر برتن زمین پر رکھنے کے بعد بولا۔ ''سر! کیا میں اپنے ہاتھ گرم کرلوں؟''

اسے انگیٹھی کے پاس جگہ مل گئی اور وہ اپنے ہاتھ گرم کرنے لگا۔ میں نے اسے کرسی پر بیٹھنے کو کہا تو وہ بولا۔

''نہیں...... سر! میں فرش پر بھی بیٹھ سکتا ہوں۔''

باہر کھیلنے والے بچے شمشیر کی آواز سن کر کمرے میں آ گئے تھے اور ایک اودھم مچا دیا تھا۔

''سر! کیا آپ چقندر لیں گے؟''

یہ کہتے ہوئے اس نے میرے جواب کا بھی انتظار نہ کیا اور برتن کے اوپر سے میلا سا رنگین رومال ہٹایا۔ بڑے سے دستے والی چھری کے ساتھ مجھے ایک چقندر نکال کر دیا۔

''سر! بہتر ہوگا کہ آپ خود ہی اسے چھیلیں...... شاید ہم گاؤں والوں کو اتنا سلیقہ نہ آتا ہو۔''

وہ مجھ سے ایک عقل مند بزرگ کی طرح باتیں کر رہا تھا۔ میں نے اس کا کہنا مانتے ہوئے خود ہی چقندر کا چھلکا اُتارا۔ اندر سے ایک چمک دار سرخ چقندر نکلا۔ وہ واقعی بڑا میٹھا تھا۔

''سر! کسی اور کے چقندر اتنے میٹھے نہیں ہوتے جتنے میٹھے شمشیر کے ہوتے ہیں۔'' نو روز نے کہا۔

''جی ہاں...... سر! یہ چقندر اس کی بہن اُبالتی ہے اور شمشیر انہیں بیچتا ہے...... اس کی امی بیمار ہے۔''

کاظم کی بات سن کر میں نے شمشیر کی طرف دیکھا۔ وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ ''ہر ایک کا پیشہ ہوتا ہے سر......! اور ہمارا یہی پیشہ ہے۔''

''لیکن تمہاری امی کیوں بیمار ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ اپنی ٹانگوں کو حرکت نہیں دے سکتیں، گاؤں کے نمبر دار کا کہنا ہے کہ انہیں فالج ہوا ہے، لیکن مجھے خود پتا نہیں کہ کیا مسئلہ ہے؟''

''اور تمہارے والد......؟''

''وہ...... وہ، وہ فوت ہو چکے ہیں۔''

''سر! وہ ایک اچھا گھڑ سوار تھا اور دشمنوں نے اسے اس وقت گولی ماری تھی جب وہ پہاڑیوں میں گھوڑے پر سوار تھا۔''

شمشیر نے اپنی بات مکمل کی۔

اس دوران وہ بیس روپے کے چقندر فروخت کر چکا تھا، لیکن اس نے مجھ سے پیسے لینے سے انکار کر دیا۔

''اس بار آپ میرے مہمان ہیں، لیکن اگلی بار آپ کو پیسے ادا کرنے ہوں گے۔''

شمشیر کے جانے کے بعد بچوں نے مجھے بتایا۔

''جب اس کا باپ زندہ تھا تو یہ بہت اچھے گھر میں رہتے تھے اور یہ ساتھ والے گاؤں کے بڑے اسکول میں پڑھتا تھا، لیکن والد کی وفات کے بعد شمشیر کو حاجی قلی خان کے کارخانے میں کام کرنا پڑا۔ ایک دن ایک واقعہ ہوا جس کے بعد شمشیر نے کارخانہ کی ملازمت چھوڑ دی اور چقندر بیچنے شروع کر دیئے۔''

''ہوا کیا تھا......؟'' میں نے تجسس سے دریافت کیا۔

سب لڑکے نو روز کو دیکھنے لگے۔ اسے میں خود حاجی قلی کے کارخانے سے دوبارہ تعلیم کے لیے آمادہ کر کے لایا تھا۔ وہ بولا۔

''سر! شمشیر کچھ زیادہ ہی انا پرست اور خود دار ہے، اس لیے وہ حاجی قلی کی ایک چھوٹی سی بات پر کارخانہ چھوڑ کر چلا آیا۔ شمشیر کی امی چل پھر نہیں سکتیں...... اس دن جب شمشیر سے غلطی سے ایک دھاگا ٹوٹ گیا تو اس سے قالین خراب ہو گیا...... یہ دیکھ کر حاجی قلی نے غصے میں آ کر کہا۔

''جس طرح تیری امی کسی کام کی نہیں، ویسے ہی تمہیں کوئی کام نہیں آتا۔ شمشیر کو اپنی امی سے بہت محبت ہے، اس لیے وہ غصے میں سب کچھ چھوڑ کر چلا آیا اور ہم دیکھتے رہ گئے۔''

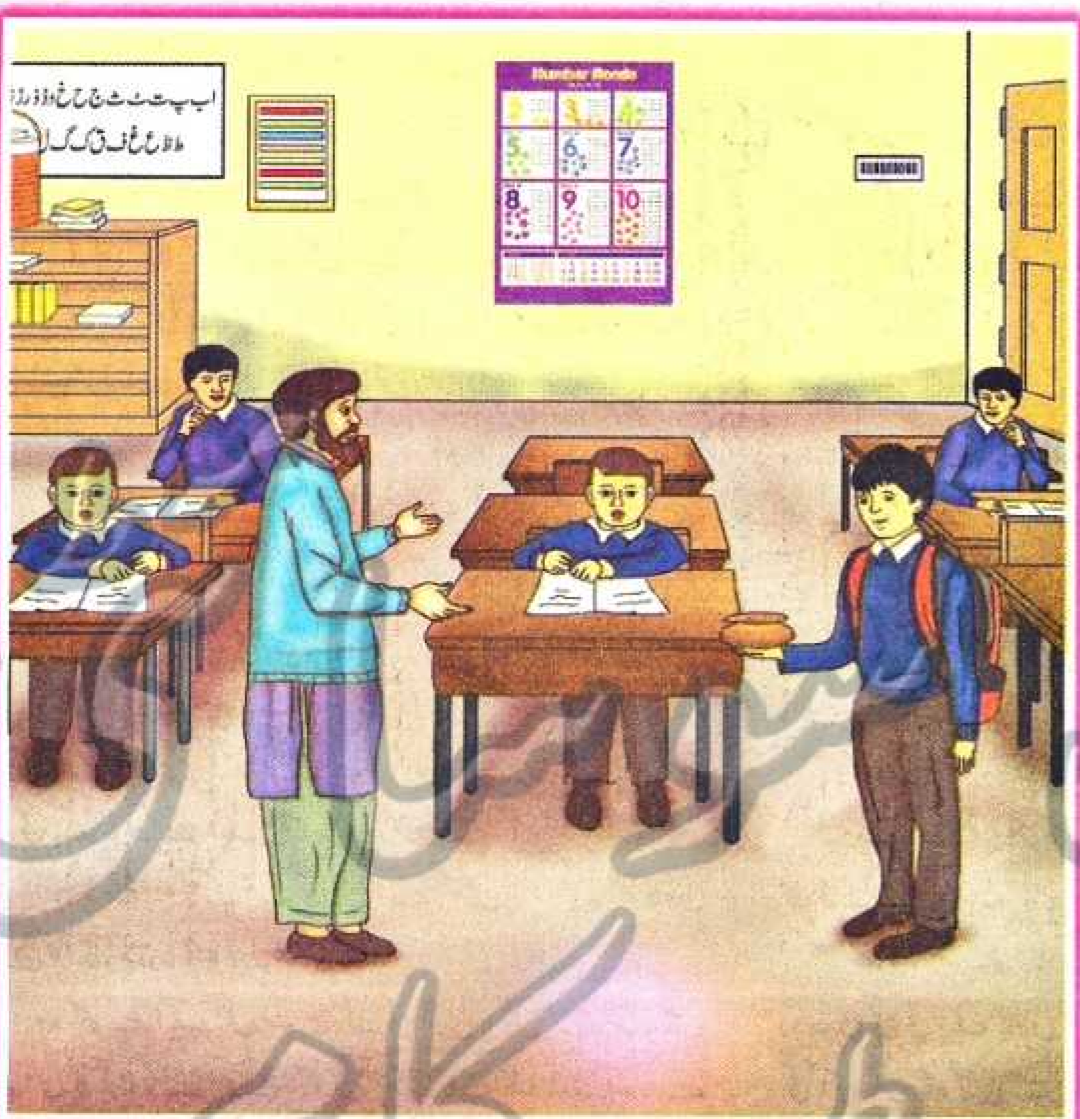
''تو اس نے دوبارہ پڑھنا کیوں نہیں شروع کیا؟''

''نہیں...... سر! اس کا کہنا ہے کہ پہلے کما کر اپنی امی کا علاج کراؤں گا...... جب میں نے اسے دوبارہ کارخانے چلنے کو کہا تو وہ کہنے لگا کہ حاجی قلی کی باتیں سننے کے بعد ملنے والی اس تنخواہ سے یہ کم پیسے اچھے ہیں جو میں آزادانہ چقندر بیچ کر کماتا ہوں۔''

یہ مجتبیٰ تھا جس کی اس کے ساتھ ہمدردی کا مجھے اس وقت پتا چل گیا تھا جب وہ اس کی چقندر چھیلنے میں مدد کر رہا تھا۔

''ٹھیک ہے...... میں شمشیر کے گھر جا کر اسے تعلیم حاصل کرنے پر آمادہ کروں گا...... ان شاء اللہ تعالیٰ وہ ضرور پڑھے گا۔''

یہ کہہ کر میں انہیں دوبارہ املا لکھوانے لگا۔



☆☆☆

"سر! میں دستک دیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر نوروز نے شمشیر کے دروازے پر دستک دی۔ چند لمحوں کے بعد شمشیر باہر نکلا اور مجھے دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"تم حیران ہو ناں! مجھے دیکھ کر! میں تم سے ہی ملنے آیا ہوں۔"

وہ میری بات سن کر جلدی سے بولا۔

"لیکن...... سر! میں ابھی پڑھنا نہیں چاہتا...... ویسے بھی میں اپنے اسکول میں زیادہ ذہین طالب علم نہیں تھا۔"

شمشیر کی یہ بات اسے خود ہی جھٹلا رہی تھی، کیوں کہ میں نے تو اس سے یہ بات کی ہی نہیں تھی اور اس نے جواب پہلے دے دیا تھا۔

"اگر تمہاری امی تندرست ہو جائیں، تب بھی نہیں پڑھو گے؟"

"لیکن...... سر! میری امی کیسے ٹھیک ہو سکتی ہیں...... ابو کی چھوڑی ہوئی رقم تو پہلے ہی ان کے علاج پر خرچ ہو چکی ہے۔"

اس کی آنکھیں ایک لمحے کے لیے چمکیں، پھر اس کے چہرے پر اداسی چھا گئی۔ "کیا میں تمہاری امی سے بات کر سکتا ہوں؟"

"سر! اگر میری امی کو پتا چل گیا کہ گاؤں میں نیا اُستاد آ گیا ہے تو وہ مجھے مجبور کرنا شروع کر دیں گی کہ میں دوبارہ اسکول جاؤں، اس لیے معذرت۔"

"اچھا...... نوروز! اب یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ اس کی امی تک یہ خبر پہنچا دو۔" میں نے واپس ہوتے ہوئے کہا۔ شمشیر ہمیں پھٹی پھٹی نگاہوں سے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆

"کچھ ایسے اعداد ہوتے ہیں، جو اپنے علاوہ کسی اور سے تقسیم نہیں ہوتے۔"

اگلے دن پہلے پیریڈ میں، میں اتنا ہی بول پایا تھا کہ کھڑکی سے گزرتے چہرے کو دکھائی دینے پر میرے علاوہ کچھ اور بچے بھی ادھر دیکھنے لگے۔ دروازہ کھلتے ہی میرا اندازہ سچ ثابت ہوا۔

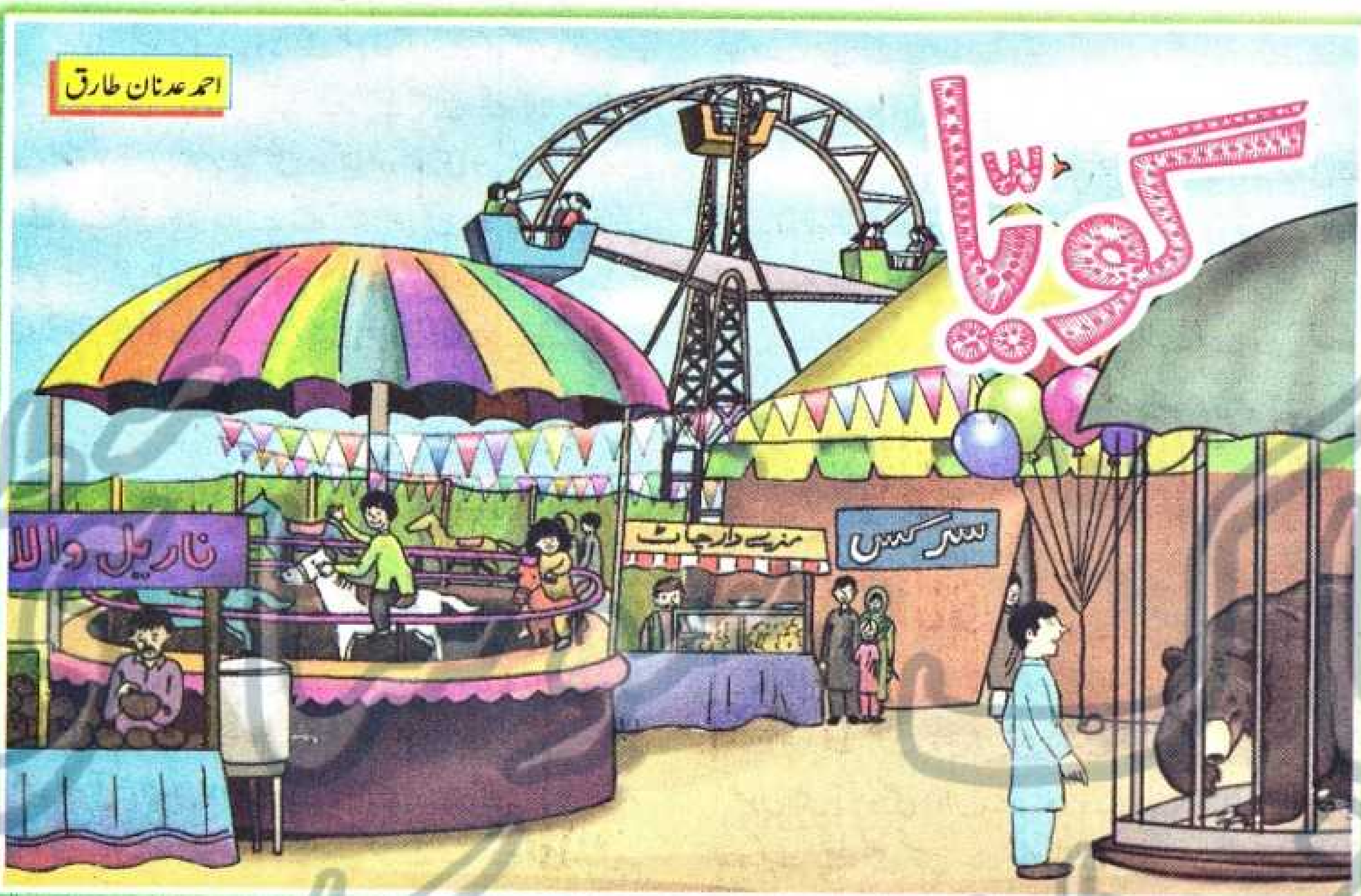
وہ شمشیر ہی تھا، جو جماعت میں داخل ہو کر چقندروں کا برتن ایک کونے میں رکھ چکا تھا، لیکن بیگ اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔

"کیا میں پڑھ سکتا ہوں...... سر!"

"کیوں نہیں۔"

تمام بچے اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے جب کہ میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہا تھا کہ میں اپنا فرض ادا کرتے ہوئے ایک اور بچے کو تعلیم کے لیے آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا، کیوں کہ تعلیم پر بچوں کو آمادہ کرنا بھی تو اُستاد کا فرض ہے اور ایک انسان ہونے کے ناتے میرا یہ فرض بنتا تھا کہ میں ایک یتیم اور بے سہارا لڑکے کو پڑھنے اور آگے بڑھنے کی طرف گامزن کرتا۔

☆☆☆



بہت عرصہ پہلے کی بات ہے ایک تھا لڑکا جس کا نام عزیق تھا۔ وہ بہت اچھا تھا اور سب سے محبت کرتا تھا لیکن اسے سب سے زیادہ محبت جنگل میں رہنے والے جانوروں اور پرندوں سے تھی۔ اس نے کئی دفعہ زخمی پرندوں کی مرہم پٹی کی تھی اور پھندوں میں پھنسے ہوئے بجو اور چھوٹے جانوروں کو آزاد کیا تھا۔ ایک دن اس کے قصبے میں میلہ لگا۔ عزیق بہت زیادہ خوش تھا۔ میدان میں رنگین خیموں کا شہر آباد تھا اور چھکڑوں پر ایسا سامان لد کر آ رہا تھا جو اس نے کبھی نہیں دیکھا ہوا تھا۔

جیسے ہی میلہ شروع ہوا۔ عزیق نے اپنی تمام جمع کی ہوئی رقم جیب میں ڈالی اور میلہ دیکھنے گیا۔ پہلے وہ ناریل بیچنے والے کے پاس گیا، پھر اس نے جھولے لیے، ایک بازیگر کے کرتب دیکھے، پھر تھک کر وہ گھر جانے ہی والا تھا کہ اس کی نظر ایک ایسی چیز پر پڑی جس نے اسے دکھی کر دیا۔ اس نے ایک پنجرہ دیکھا جس میں ایک تنہا اور اداس لمبا تڑنگا بھورے رنگ کا ریچھ لیٹا ہوا تھا۔ اس کے پنجرے پر ایک تختی لگی ہوئی تھی جس پر ریچھ کا نام ''بھولو'' لکھا ہوا تھا۔ وہ ریچھ اتنا غمگین لگ رہا تھا کہ عزیق نے فوراً دل میں تہیہ کر لیا کہ وہ اس ریچھ کو قید سے آزادی دلوائے گا۔

پنجرے کے دروازے پر بڑا سا لہ تالہ لگا ہوا تھا۔ عزیق تالا نہیں کھول سکتا تھا۔ وہ گھر جانے کے لیے مڑا تو اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ریچھ اس کا تعاقب کر رہا ہو۔ اس رات عزیق بستر میں بھی بے چینی سے کروٹیں بدلتا رہا۔ وہ سوچتا رہا کہ آخر وہ کیا کرے؟ وہ اتنا بہادر بھی نہیں تھا کہ اکیلا ریچھ کے پنجرے میں گھس جائے اور یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ پنجرے کا محافظ خود ہی ریچھ کو آزاد کر دے۔ آخر آدھی رات کو اس نے فیصلہ کیا کہ وہ میلے میں جائے گا اور کچھ نہ کچھ ضرور کرے گا۔

وہ بستر سے نکلا اور چاند کی روشنی میں ٹامک ٹوئیاں مارتے ہوئے دوبارہ میلے میں جا پہنچا۔ جب وہ ریچھ کے پنجرے کے قریب پہنچا تو یہ دیکھ کر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ریچھ گا رہا تھا۔ اس کی آواز بہت ہی خوب صورت تھی۔ کچھ دیر تو عزیق محو ہو کر وہ خوب صورت گیت سنتا رہا، پھر اچانک اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ اسے کپڑے پر لکھا ہوا ایک اعلان یاد آ گیا تھا جو اس نے محل کے دروازے پر لٹکا ہوا دیکھا تھا۔ وہ ریچھ سے کہنے

لگا۔ ”بھولو! آنسو مت بہاؤ۔ مجھے علم ہو گیا ہے کہ تمہیں قید سے رہائی کیسے دلوانی ہے لیکن سب سے پہلے تمہیں مجھے گانا سکھانا ہو گا۔“ بھولو فوراً اس تجویز پر متفق ہو گیا اور تھوڑی دیر میں ہی دونوں دوست اکٹھے وہی گانا گا رہے تھے۔ پھر عزیق نے کہا۔ ”مجھے اب چلنا چاہیے، میں کل دوبارہ آؤں گا اور یہ بات یاد رکھنا کہ جب تم مجھے دیکھو تو گانا گانے کے لیے تمہاری تیاری ہونی چاہیے۔“

اگلے دن عزیق نے اپنے بہترین کپڑے پہنے اور شاہی محل کی طرف روانہ ہو گیا۔ عزیق نے جیسا ریچھ کو بتایا تھا، وہی کپڑا محل کے دروازے پر لٹکا ہوا تھا جس پر اعلان کچھ یوں لکھا ہوا تھا۔ ”بادشاہ سلامت کو شاہی گویا چاہیے جس کی آواز سب سے خوب صورت ہو۔ ہر کوئی امتحان کے لیے آ سکتا ہے۔“ عزیق نے شاہی محل کے دروازے پر دستک دی تو اسے ایک برآمدے میں لے جایا گیا جس کے ستون سونے سے بنے ہوئے تھے اور وہاں ایسے گویوں کی بھیڑ جمع تھی جو اپنی آوازوں کا امتحان دینے آئے ہوئے تھے۔

ایک پیادے نے سب کو خاموش کرنے کے لیے گھنٹی بجائی۔ چند ساعتوں کے بعد بادشاہ سلامت اندر آئے اور اپنے تخت پر براجمان ہو گئے۔ بادشاہ سلامت نے مقابلہ شروع کرنے کا اعلان کیا۔ پہلا گویا آگے بڑھا۔ اس نے اپنی میٹھی اور سریلی آواز میں ایسا نغمہ سنایا جو سب سننے والوں کے دلوں کی تاریں چھو گیا اور لوگ بے اختیار رونے بھی لگے۔ اگلے گویے کی آواز بھی بے نظیر تھی، جس نے لوگوں کی ریڑھ کی ہڈیوں میں کپکپی دوڑا دی۔ گویے کی آواز سن کر پرندے چہچہانا بند ہو گئے۔

اگلے گویے کا نغمہ زندگی سے بھرپور تھا۔ لوگ گویے کے ساتھ گنگناتے بھی رہے۔ آخرکار عزیق کی باری آ گئی۔ وہ آگے بڑھا اور بادشاہ کو جھک کر سلام کیا اور بولا۔ ”میں بادشاہ سلامت سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے محل سے باہر گانا گانے کی اجازت دی جائے تاکہ جنگل میں رہنے والے چرند پرند بھی میرا گانا سن سکیں۔“

بادشاہ سلامت کہنے لگے۔ ”بہت عجیب و غریب درخواست ہے۔“ لیکن سچی بات یہ تھی کہ پیارے پیارے گیت سن کر بادشاہ سلامت کو نیند آ رہی تھی۔ وہ بھی چاہتے تھے کہ کھلی فضا میں جانا چاہیے، وہ بولے۔ ”ٹھیک ہے لیکن گیت بہت پیارا ہونا چاہیے۔“ عزیق کہنے لگا۔ ”آیئے! میرے پیچھے آ جائیں۔“ وہ بادشاہ سلامت، ان کے خواص اور گویوں کو لے کر محل سے باہر نکلا اور سڑک پر روانہ ہو گیا۔ آخرکار وہ میلے میں جا پہنچے لیکن عزیق تب تک نہیں رکا جب تک کہ وہ بھولو کے پنجرے کے سامنے نہیں پہنچ گیا۔ وہ بادشاہ سلامت کو کہنے لگا۔ ”دراصل یہی وہ جگہ ہے جہاں میں آپ کو گیت سنانا چاہتا تھا۔“ بادشاہ سلامت کی بھوئیں تن گئیں۔ انہوں نے اردگرد کا جائزہ لیا، پھر بولے۔ ”بہت عجیب و غریب جگہ ہے لیکن تم ہمیں اتنی دُور لے کر آئے ہو۔ اب دیکھتے ہیں تم کیسا گاتے ہو، اب ہمیں گانا سناؤ۔“ بادشاہ نے حکم دیا۔

عزیق نے منہ کھولا اور گانے کے الفاظ منہ میں بدبدانے لگا لیکن اصل گانا بھولو شروع کر چکا تھا۔ عزیق گانا گانے کی صرف اداکاری کر رہا تھا۔ یہ اتنا خوب صورت گیت تھا جو آج تک کسی کے کانوں نے نہیں سنا تھا۔ گانا ختم ہوا تو بادشاہ سلامت کے چہرے پر بیک وقت خوشی و اطمینان کے تاثرات تھے لیکن ان کی آنکھوں میں آنسو بھی رواں تھے۔ وہ بولے۔ ”میں نے اتنا اعلیٰ اور عمدہ گیت پہلے کبھی نہیں سنا۔ تم نے یہ مقابلہ جیت لیا ہے۔ میں تمہیں اپنا شاہی گویا مقرر کرتا ہوں۔“

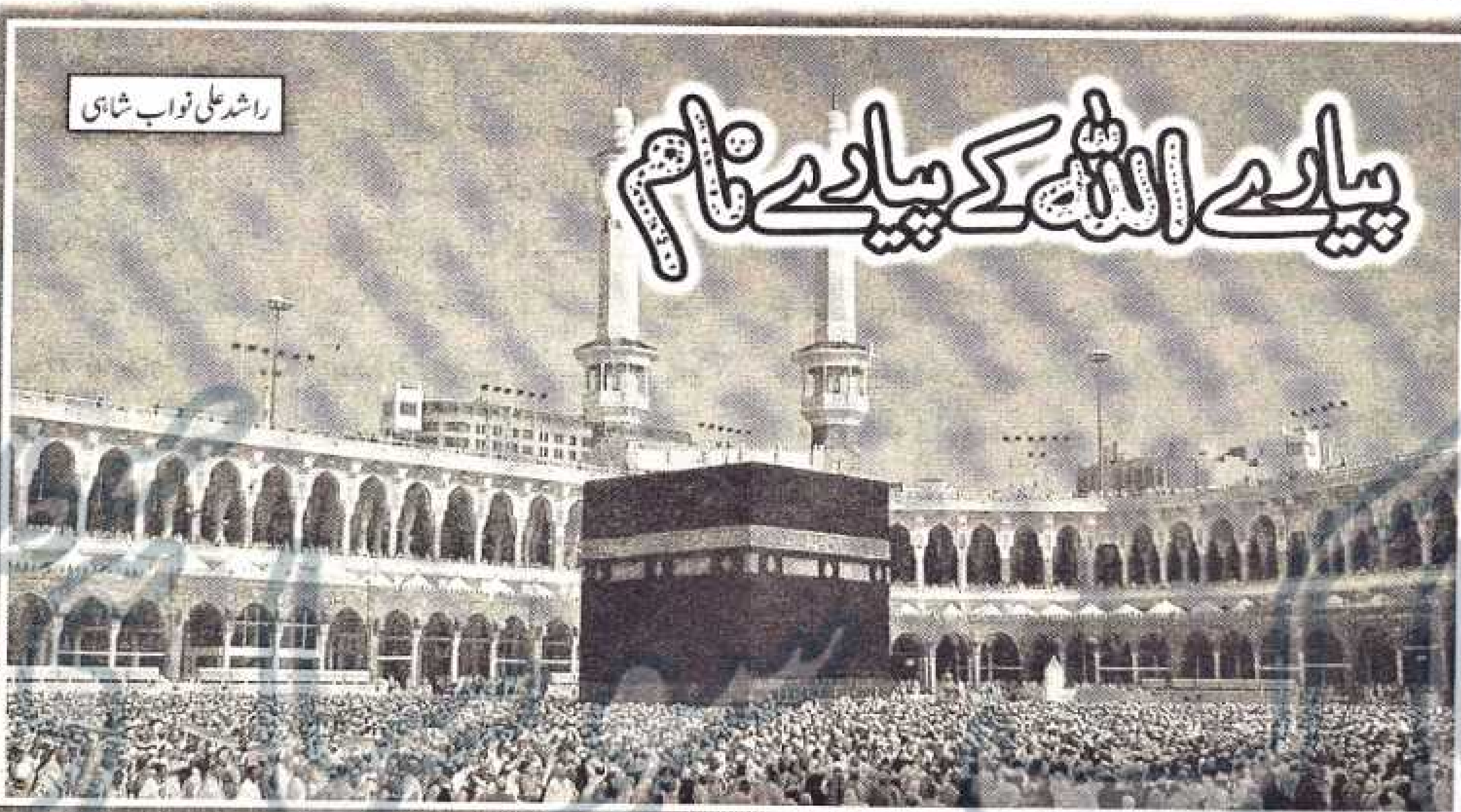
عزیق یہ سن کر دوبارہ بادشاہ کے آگے جھکا اور بولا۔ ”بادشاہ سلامت! میں آپ کا انعام دل و جان سے قبول کر لیتا لیکن ایمان داری کی بات یہ ہے کہ یہ گانا میں نہیں گا رہا تھا بلکہ میرا دوست بھولو ریچھ گا رہا تھا۔“ وہاں ہر کوئی حیرت سے آنکھیں پھاڑے پنجرے میں بند ریچھ کو دیکھ رہا تھا۔ ایک لمحے کے لیے یوں لگا جیسے بادشاہ سلامت غصے میں آ گئے ہیں لیکن پھر وہ مسکرانے لگے اور بولے۔ ”میں تمہاری ایمان داری کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ عزیق اب میں خوشی سے بھولو کو شاہی گویا مقرر کرتا ہوں۔ وزیراعظم! میری سونے کے سکّوں والی تھیلی پیش کی جائے۔“

پھر بادشاہ سلامت نے ریچھ کے مالک کو اس کی سوچ سے زیادہ رقم دے دی جس نے بدلے میں خوشی خوشی ریچھ کو آزاد کر دیا۔ بھولو شاہی گویا بن گیا اور پورے ملک میں راتوں رات مشہور ہو گیا۔ عزیق روز شاہی محل جایا کرتا اور دونوں دوست مل کر اچھے اچھے گیت گاتے۔ کہا جاتا ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد بادشاہ سلامت نے اپنی بیٹی کی شادی عزیق سے کر دی اور سبھی ہنسی خوشی اکٹھے زندگی گزارنے لگے۔

☆☆☆

پیارے اللہ کے پیارے نام

راشد علی نواب شاہی



اَلْمُقِیْتُ جَلَّ جَلَالُهٗ (سب کی روزی پیدا کر کے پہنچانے والا)

اَلْمُقِیْتُ جَلَّ جَلَالُهٗ وہ ہے جو مخلوق کی ہر قسم کی روزی پیدا کرنے والا اور اسے جان داروں تک پہنچانے والا ہے۔

قرآن کریم میں یہ مبارک نام ایک مرتبہ آیا ہے۔

گودام

آپ نے گودام کا لفظ پہلے بھی سنا یا پڑھا تو ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں اسے اسٹور کہہ لیں۔ دُکان داروں کے پاس اتنی جگہ نہیں ہوتی کہ وہ سارا سامان اس دُکان پر رکھ سکیں تو یہ لوگ الگ سے ایک گودام یا اسٹور بھی رکھتے ہیں اور ضرورت کے وقت اس گودام سے چیزیں نکالتے رہتے ہیں۔ اَلْمُقِیْتُ جَلَّ جَلَالُهٗ نے بھی انسانوں کے لیے ایک گودام بنایا ہے اور وہ ہے زمین۔

زمین سے حسبِ ضرورت ہمارے لیے غذائیں نکلتی رہتی ہیں اور دل چسپ بات یہ ہے کہ ہر علاقے میں الگ الگ چیزیں ہیں۔ کسی جگہ سیب ہیں...... کسی جگہ انگور...... کسی جگہ چاول...... کسی جگہ گندم اور کسی جگہ آم ہیں۔ یہ اربوں کھربوں انسانوں کے لیے کافی ہوتے ہیں اور پھر روزی بھی ہر ایک جانور کی الگ الگ ہے۔ جسے گوشت کھانا ہے تو ''اَلْمُقِیْتُ جَلَّ جَلَالُهٗ'' اسے گوشت کھلاتا ہے...... سبزی کھانے والے کو سبزی...... پھل کھانے والے کو پھل...... گھاس کھانے والوں کو گھاس...... کیڑے مکوڑے کھانے والوں کو کیڑے مکوڑے...... مچھلی کھانے والوں کو مچھلی...... اور بیج کھانے والوں کو بیج کھلاتا ہے۔

اور پھر ایسا بھی نہیں ہے کہ جو اسے مانتے ہیں اسے کھلاتا ہے، بلکہ جو اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتے وہ مہربان رب انہیں بھی کھلا رہا ہے اور پھر جانوروں کو کھانے کے طریقے بھی سکھاتا ہے۔ جیسے مرغی کا بچہ پیدا ہوتے ہی زمین پر ٹھونگ مارتا ہے، حالاں کہ نہ کوئی اسے بتاتا ہے اور نہ ہی کوئی اسے بتا سکتا ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ ہیں جو سب کی روزی پیدا کر کے انہیں پہنچا رہے ہیں۔

اندھا سانپ اور چڑیا

کرد ایک قبیلہ کا نام ہے، اس میں ایک مشہور ڈاکو تھا۔ وہ اپنا قصہ بیان کرتا ہے: ''میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ ڈاکا ڈالنے کے لیے جا رہا تھا۔ راستے میں ہم ایک جگہ بیٹھے تھے۔ وہاں ہم نے دیکھا کہ کھجور کے تین درخت ہیں۔ دو پر تو خوب پھل آ رہا ہے اور تیسرا بالکل خشک ہے۔ ایک چڑیا بار بار آتی ہے اور پھل دار درختوں پر سے تر و تازہ کھجور اپنی چونچ میں لے کر اس خشک درخت پر جاتی ہے۔ ہمیں یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوا۔ میں نے دس مرتبہ اس چڑیا کو کھجور لے جاتے ہوئے دیکھا تو مجھے یہ خیال ہوا کہ اس پر

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائی کوالٹی پی ڈی ایف
ایڈ فری لنکس

ایک کلک سے ڈاؤنلوڈ
ڈاؤنلوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر

کتاب کی مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
ناولز اور عمران سیریز کی مُکمل رینج

Click on http://paksociety.com to Visit Us

پاک سوسائٹی کو فیس بُک پر جوائن کریں http://fb.com/paksociety

پاک سوسائٹی کو ٹوئٹر پر جوائن کریں http://twitter.com/paksociety1

پاک سوسائٹی کو گُوگل پلس پر جوائن کریں https://plus.google.com/112999726194960503629

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بُک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بُک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-



چڑھ کر دیکھوں کہ یہ چڑیا اس کھجور کا کیا کرتی ہے۔ میں نے اس درخت کی چوٹی پر جا کر دیکھا کہ وہاں ایک اندھا سانپ منہ کھولے پڑا ہے اور یہ چڑیا وہ تر و تازہ کھجور اس کے منہ میں ڈال رہی ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر اس قدر حیرت ہوئی کہ میں رونے لگا۔ میں نے کہا:

''اے میرے اللہ! یہ سانپ جس کو مارنے کا حکم دیا گیا ہے، جب وہ اندھا ہوگیا تو، تو نے اس کو روزی دینے کے لیے ایک چڑیا کو مقرر کر دیا اور میں تیرا بندہ، تیری توحید کا اقرار کرنے والا.....''

میں نے اسی وقت اپنی تلوار توڑ ڈالی جو لوگوں کو لوٹنے میں کام دیتی تھی۔ میں اپنے ساتھیوں کے پاس آیا۔ وہ کہنے لگے:

''تجھے کیا ہوگیا؟''

میں نے کہا: ''اب میں نے اپنے رب سے صلح کر لی ہے۔''

یہ کہہ کر میں نے سارا قصہ ان کو سنایا۔ وہ کہنے لگے: ''ہم بھی صلح کر لیتے ہیں۔''

یہ کہہ کر سب نے اپنی اپنی تلواریں توڑ دیں اور ہم سب لوٹ کا سامان چھوڑ کر احرام باندھ کر مکہ کے ارادہ سے چل دیے۔

یاد رکھنے کی باتیں

☆ اس مبارک نام سے ہمیں یہ سبق ملا کہ ہم اللہ تعالیٰ سے ہی اپنی روزی مانگیں۔ روزی ہر حال میں مل کر رہتی ہے، اس لیے اسے جائز طریقوں سے حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

☆ دیکھا آپ نے......! ایک اندھا سانپ جسے اللہ تعالیٰ روزی پہنچا رہے ہیں۔ چڑیا کے دل میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات ڈالی اور اسے سمجھ عطا فرمائی کہ اندھے سانپ تک یوں روزی پہنچائے۔

اَلْحَسِیْبُ جَلَّ جَلَالُهٗ (سب کے لیے کافی ہو جانے والا)

اَلْحَسِیْبُ جَلَّ جَلَالُهٗ وہ ہے جو کوئی اس کا ہو جاتا ہے تو وہ اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔

قرآن کریم میں یہ مبارک نام تین مرتبہ آیا ہے۔

ہم سب لوگ اس مبارک نام کا ترجمہ اچھی طرح ذہن نشین کر لیں: ''سب کے لیے کافی ہو جانے والا''

اگر اس کے معنی کا یقین ہمارے دلوں میں بیٹھ گیا تو پھر ہمیں کوئی ڈر اور خوف نہیں رہے گا، کیوں کہ اللہ ہی میرے لیے کافی ہے۔

غیبی مدد

خفیہ سازش تیار ہو چکی تھی۔ وہ جلد از جلد اسے عملی جامہ پہنانا چاہتے تھے۔

آپ ﷺ کسی معاملے کے سلسلے میں بنو نضیر (ایک قبیلے کا نام ہے) کے پاس تشریف لے گئے تھے۔

انہوں نے آپ ﷺ کو ایک دیوار کے نیچے بٹھا کر باتوں میں لگا لیا۔ عمرو بن جحش یہودی تیار تھا کہ دیوار کے پیچھے سے چڑھ کر پتھر کی ایک چٹان آپ ﷺ کی طرف لڑھکا دے اور آپ ﷺ (نَعُوْذُ بِاللّٰهِ) شہید ہو جائیں، مگر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان کے اس برے ارادے کی خبر فرما دی۔ آپ ﷺ فوراً وہاں سے اُٹھ گئے اور ان کی ساری سازش خاک میں مل گئی۔

آپ ﷺ کے خلاف کافروں نے طرح طرح کی خفیہ سازشیں کیں مگر انہیں شاید معلوم نہ تھا وہ ''اَلْحَسِیْبُ جَلَّ جَلَالُهٗ'' اپنے پیارے محبوب کے لیے کافی ہے۔

ایک یہودی جس کا نام کعب بن اشرف تھا، اس نے ایک ناپاک تدبیر بنائی۔ وہ یہ کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے گھر میں بلا کر نَعُوْذُ بِاللّٰهِ قتل کر دیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے اس خفیہ سازش کی بھی اطلاع فرما دی اور کافروں کی ہر تدبیر ناکام و نامراد ہوگئی۔

سات مرتبہ

ایک حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص صبح و شام سات مرتبہ یہ آیت پڑھ لے:

''حَسْبِیَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَ هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ.'' تو اللہ تعالیٰ دُنیا و آخرت کی تمام فکروں کے لیے کافی ہو جاتے ہیں۔

ترجمہ: میرے لیے اللہ ہی کافی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی پر میں نے بھروسا کیا اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔

یاد رکھنے کی باتیں

☆ ہم اَلْحَسِیْبُ جَلَّ جَلَالُهٗ کے علاوہ کسی سے بھی خوف نہ کھائیں، وہ ہر معاملے میں ہمیں کافی ہے۔

☆ ہم کسی سے اُمید نہ لگائیں۔ صرف اسی پر بھروسا رکھیں۔ وہ ہر کام میں ہمارے لیے کافی ہے۔

☆ جو دعا بتائی گئی ہے اسے روزانہ مانگیں اور دوسروں کو بھی اس کے فوائد بتائیں، خصوصاً وہ لوگ جو فکروں میں گھرے ہوئے ہیں۔

☆☆☆



قسمت کا چکر

فرخندہ لودھی

کئی سو سال ہوئے، مراکش پر ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ نام تھا، ابراہیم۔ اس کا ایک ہی بیٹا تھا۔ جب یہ بچہ پیدا ہوا، بادشاہ کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اس نے فوراً اپنے نجومی کو بلایا تاکہ وہ بتائے کہ شہزادے کی قسمت میں کیا لکھا ہے۔ نجومی نے اپنی کتاب کھولی اور علمِ نجوم کے حساب سے شہزادے کی قسمت کا حال دیکھا۔ جب نجومی حساب کتاب کر رہا تھا تو بادشاہ نے دیکھا کہ اس کے چہرے پر ایک رنگ آتا ہے اور ایک جاتا ہے۔ وہ بار بار کتاب کے صفحے الٹ پلٹ رہا تھا، جیسے اس سے حساب کتاب میں غلطی ہو رہی ہو۔ جب کافی دیر گزر گئی اور وہ کچھ نہ بولا تو بادشاہ کے صبر کی انتہا نہ رہی۔ اس نے پوچھا:

''جلدی بتائیے، ہمارے بیٹے کی قسمت میں کیا لکھا ہے؟''

''بُری خبر ہے بادشاہ سلامت۔ آپ نہ ہی سنیں تو اچھا ہے۔''

نجومی نے عرض کیا مگر بادشاہ نے اصرار کیا اور کہا:

''میں اپنے بیٹے کی قسمت کا حال جان کر رہوں گا تاکہ اگر وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہونے والا ہے تو اسے بچا سکوں۔ کم سے کم یہ تو بتائیے کہ اسے کس چیز سے خطرہ ہے؟''

''بادشاہ سلامت، اگر آپ جاننا ہی چاہتے ہیں تو سنیے۔ پہلا خطرہ تو یہ ہے کہ آپ کے بیٹے کو شیر کھا جائے گا اور اگر کسی طرح وہ شیر کے پنجے سے بچ نکلا تو اس کے بعد وہ ہوگا جو میں بتانا نہیں چاہتا۔ میں یہ منحوس بات اپنے منہ سے نہیں نکال سکتا۔''

''شیر کے کھا جانے سے زیادہ منحوس بات کیا ہو سکتی ہے۔ آپ کہیں تو سہی۔'' بادشاہ نے ذرا سخت لہجے میں حکم دیا۔ نجومی خاموش رہا۔ بادشاہ نے اسے ڈرایا دھمکایا۔ پھر اس کی منتیں کیں۔ نجومی پر بڑی مشکل سے تھوڑا سا اثر ہوا اور وہ کچھ دیر بعد گلا صاف کرتے ہوئے بولا: ''بادشاہ سلامت، مجھے ڈر لگتا ہے۔''

''ڈر کس بات کا؟''

''عالی جاہ، اگر میں نے وہ سب کچھ بتا دیا، جو ستارے کہتے ہیں تو مجھے ڈر ہے کہ میری جان کی خیر نہیں۔''

''نہیں، ہرگز نہیں۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں، تم جو بھی کہو گے، صبر سے سنوں گا۔ تمہارا بال بیکا نہ ہونے دوں گا۔''

''بہت اچھا حضور۔'' نجومی نے اطمینان کا سانس لیا۔ ''میں آپ کو سب کچھ سچ سچ بتاتا ہوں۔ ستارے کہتے ہیں کہ اگر شہزادہ شیر کا نوالہ بننے سے بچ گیا تو وہ آپ کو جان سے مار ڈالے گا۔''

بادشاہ نے چپ سادھ لی۔ کچھ دیر تک نجومی کو ایسے دیکھتا رہا

جیسے اسے کچھ سنائی نہ دیا ہو۔ پھر دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھا کر دعا مانگی۔ دعا کے بعد نجومی سے بولا:

''جو کچھ بھی ہو، میں اپنی اور اپنے بیٹے کی جان بچانے کی کوشش کروں گا لیکن اے نجومی، ستارے غلط بھی تو کہہ سکتے ہیں۔''

''ہاں، ستارے غلط بھی کہہ سکتے ہیں۔'' نجومی نے بادشاہ کو خوش کرنے کے لیے کہہ دیا، ورنہ اسے یقین تھا کہ ستارے غلط نہیں کہتے۔

بادشاہ ابراہیم نے اسی وقت اپنی بدنصیبی کے ساتھ لڑنے کا فیصلہ کرلیا۔ اس نے محل سے کئی میل دُور پہاڑ کی چوٹی پر ایک الگ تھلگ جگہ تلاش کی جہاں انسان اور حیوان کسی کا گزر نہ ہو۔ اس جگہ اس نے زمین کے اندر ایک تہہ خانہ بنوایا جس میں اس کا بیٹا رہ سکے۔ اس تہہ خانے کا ایک ہی دروازہ تھا۔ اس دروازے کو درختوں اور جھاڑیوں سے اچھی طرح ڈھانپ دیا گیا تھا۔

جب تہہ خانہ مکمل ہوگیا تو معصوم شہزادے کو اس میں اُتار دیا گیا۔ اس وقت شہزادے کی عمر ایک ڈیڑھ سال تھی۔ اس کی آیا اس کے ساتھ تھی۔ دونوں اس تہہ خانے میں رہنے لگے۔ دن، مہینے اور سال گزر گئے۔ بادشاہ مہینے میں ایک بار اپنے درباریوں کے ہمراہ اس تہہ خانے پر آتا۔ دروازے سے نیچے، کمرے میں سیڑھی لگا دی جاتی۔ شہزادہ اور اس کی آیا دونوں اس سیڑھی کے ذریعے باہر آتے۔ بادشاہ بیٹے کو گود میں لے کر پیار کرتا اور دیر تک اس کے ساتھ کھیلتا رہتا۔ پھر ٹھنڈی آہ بھر کر آیا کو حکم دیتا کہ وہ بچے کو لے کر نیچے چلی جائے، اس کے بعد وہ گھوڑے پر سوار ہوتا اور غم زدہ دل کے ساتھ محل میں واپس آجاتا۔

یہی قصہ چلتا رہا اور ابراہیم کا بیٹا سات برس کا ہوگیا۔ ایک روز اتفاق سے شکاریوں کی ایک ٹولی ایک شیر کے پیچھے ادھر آنکلی۔ وہ لوگ شیر کو گھیرنا چاہتے تھے اور شیر کہیں چھپ جانا چاہتا تھا۔ وہ دوڑتا ہوا اس جگہ پہنچا جہاں تہہ خانہ بنا ہوا تھا۔ جوں ہی شیر کا بھاری جسم غار کے دہانے پر اُگی ہوئی گھاس اور جھاڑیوں پر پڑا، وہ تہہ خانے کے اندر جا گرا۔ شیر جھلایا ہوا تھا اور اسے بھوک بھی لگی تھی۔ اس کی نظر شہزادے پر پڑی تو اس نے اس پر حملہ کر دیا۔ شہزادہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ اس کا کندھا زخمی ہوگیا تھا۔ آیا اس کو بچانے کے لیے آئی تو بپھرے ہوئے شیر نے اس کی تکا بوٹی کر دی۔ شہزادہ تہہ خانے کے فرش پر بے ہوش پڑا تھا۔

اس عرصے میں شکاری شیر کو تلاش کرتے ہوئے تہہ خانے کے پاس آپہنچے۔ یہاں آکر انہیں پتا چلا کہ شیر کے دہاڑنے کی آواز زمین کے اندر سے آرہی ہے۔ انہوں نے نیچے جھانک کر دیکھا تو تہہ خانے میں شیر موجود تھا۔ انہوں نے شیر پر پتھروں کی بارش کر دی، یہاں تک کہ اسے جان سے مار دیا۔ پھر انہوں نے رسّے کی سیڑھی بنائی اور بڑی ہوشیاری سے تہہ خانے میں اُتر گئے۔ تہہ خانے کی بناوٹ اور سجاوٹ دیکھ کر شکاری بہت حیران ہوئے۔ تہہ خانے میں کئی کمرے تھے اور ہر کمرے میں قیمتی قالین بچھے ہوئے تھے۔ چھتوں پر فانوس لٹک رہے تھے۔ کمروں کو اتنے قیمتی سامان سے سجایا گیا تھا کہ پہلی نظر میں ہی پتا چل جاتا تھا کہ یہ کسی شہزادے کا گھر ہوگا۔

شکاری ہر جگہ کی تلاشی لے رہے تھے اور جو کچھ اُٹھا سکتے تھے، اس کو لے جانے کے لیے باندھ رہے تھے۔ اچانک ان کو احساس ہوا کہ عورت تو مر چکی ہے مگر بچے میں ابھی سانس باقی ہے اور وہ بے ہوش ہے۔ وہ سامان کے ساتھ بچے کو بھی ساتھ لے گئے۔ اس طرح سات برس کا شہزادہ شکاریوں کے ہاں پہاڑوں میں رہنے لگا۔ اس نے یہاں گھڑسواری سیکھی اور جانوروں کا شکار کرنے میں مہارت حاصل کی۔ ان شکاریوں میں اچھے بُرے کی تمیز نہ تھی، اس لیے وہ بعض اوقات قافلوں پر حملہ کر کے ان کو لوٹ لیتے اور مال مویشی ہانک لے جاتے۔ ان سب کاموں میں شاہ ابراہیم کا بیٹا ان کے ساتھ ہوتا۔ شکاریوں کے ساتھ رہ کر وہ بھی ان جیسا لاپروا اور جسمانی طور پر مضبوط ہوگیا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کون ہے اور کون اس کے ماں باپ ہیں۔ وہ تو شکاریوں میں شکاری تھا اور لٹیروں میں لٹیرا۔

ایک روز شام کے وقت شہزادے اور اس کے دوسرے ساتھیوں نے ایک قافلے پر حملہ کیا۔ اس وقت شہزادے کی عمر اکیس برس کی ہو چکی تھی۔ اتفاق سے یہ قافلہ بھی ہتھیاروں سے خوب لیس تھا۔ قافلے والوں نے ڈاکوؤں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ خوں ریز جنگ ہوئی۔ شہزادہ زخم کھا کر بے ہوش ہوگیا۔ اگلی صبح جب اسے ہوش آیا تو وہ تنہا تھا۔ قافلے کا کہیں نام ونشان نہ تھا اور اس کے ساتھی بھی کہیں نظر نہ آتے تھے۔ وہ مارے گئے تھے؟ یہ اندازہ لگانا مشکل تھا۔ شہزادہ ہمت کر کے اُٹھا۔ اس کے زخموں سے خون رِس رہا تھا اور پورا جسم پھوڑے کی مانند دکھ رہا تھا۔ اس نے اردگرد نگاہ دوڑائی تو دُور دُور تک کوئی نظر نہ آیا۔ آخر ہمت کر کے وہ اس راستے پر چلنے لگا جدھر

سے ایک دن پہلے وہ اور اس کے ساتھی آئے تھے۔ اس کا خیال تھا کہ اس طرح شاید وہ اپنے ساتھیوں سے جا ملے۔

ابھی وہ زیادہ دُور نہیں گیا تھا کہ اسے ایک شخص ملا جو کسی خزانے کا کھوج لگا رہا تھا۔ یہ کھوجی بھی عجیب قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ پگلے سے، دیوانے سے، لیکن ان میں ایک خاص بات ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ یہ لوگ اپنی دھن کے پکے ہوتے ہیں اور چھپے ہوئے خزانوں کی تلاش میں جنگل جنگل، صحرا صحرا گھومتے رہتے ہیں۔ بعض اوقات دوسرے لوگ ان کو ملازم رکھ لیتے ہیں۔ ان لوگوں کی مہمیں بڑی خطرناک ہوتی ہیں۔ دبے ہوئے خزانے کو نکالنے کے لیے انہیں زمین کو دُور تک کھودنا پڑتا ہے اور کھودتے کھودتے یہ پاتال تک پہنچ جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض کو دوبارہ اس دُنیا میں آنا نصیب نہیں ہوتا اور بعض اپنی عقل کھو بیٹھتے ہیں۔

خزانوں کے کھوجی نے ابراہیم کے بیٹے کو روک کر پوچھا:

''کہاں جا رہے ہو؟''

''کہیں نہیں۔'' شہزادے نے جواب دیا۔

''کہاں سے آئے ہو؟''

''زمین کے اندر سے۔'' شہزادے نے جواب دیا اور پھر اپنی ساری داستان کہہ سنائی۔

''اوہ! پھر تو تم میرے کام کے آدمی ہو۔'' کھوجی نے خوش ہو کر کہا۔ ''آؤ، میرے ساتھ چلو۔ ہم مل کر خزانوں کا کھوج لگائیں گے۔''

شہزادہ اس کے ساتھ اس کے خیمے میں پہنچا۔ اس خیمے میں وہ دونوں کئی دن رہے۔ کھاتے پیتے، گپیں لگاتے اور پھر سو جاتے۔ آخر شہزادے کی صحت ٹھیک ہوگئی۔ اب وہ پھر پہلے جیسا طاقت ور ہو گیا تھا۔ ایک دن دونوں خزانے کی کھوج میں پہاڑوں کی طرف روانہ ہوئے۔ گدھوں پر سوار تھے۔ کھوجی آگے آگے تھا کیوں کہ وہی ان رستوں سے واقف تھا۔ آخر پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گئے۔ ایک خاص جگہ پر رُک کر کھوجی نے جیب سے نقشہ نکالا۔ غور سے دیکھ کر ارد گرد نگاہ دوڑائی، ہر طرف گھوم پھر کر دیکھا اور پھر اسے تسلی ہوگئی کہ وہ ٹھیک جگہ پہنچے ہیں۔

یہاں کھوجی نے اپنی چھڑی زمین میں سیدھی گاڑ دی اور کہا:

''کھودو!'' دونوں نے مل کر زمین کو کھودنا شروع کیا۔ اچانک ان کی کدالیں ایک پتھر سے ٹکرائیں۔ یہ پتھر ایک بہت بڑی سی چکی کی مانند تھا۔ دونوں نے خوب زور لگا کر پتھر کو ایک طرف ہٹایا تو نیچے ایک کنواں نظر آیا۔ کھوجی نے ایک مضبوط سا رستا شہزادے کی کمر میں کس کر باندھ دیا، موم بتی جلا کر اس کے ہاتھ میں تھما دی اور کہا:

''اس کنویں میں اُتر جاؤ۔ میں رستے کو ہولے ہولے ڈھیل دیتا جاؤں گا۔ تہہ میں پہنچ جاؤ تو آواز دینا۔ میں ٹوکری لٹکا دوں گا۔ میرا خیال ہے کنویں میں اتنا سونا ہے کہ ہم نے دس بارہ ٹوکریاں بھی کھینچ لیں تو ساری عمر کسی شے کی ضرورت نہیں رہے گی۔''

کھوجی کے کہنے کے مطابق شہزادہ کنویں میں اُتر گیا۔ خوف کے مارے اس کا دم نکل رہا تھا۔ موم بتی کو جلائے رکھنا ضروری تھا، ورنہ اندھیرے کنویں میں کچھ نظر نہ آتا۔ پیندے پر پاؤں لگتے ہی اس نے خدا کا شکر ادا کیا۔ کنویں میں پانی نہیں تھا۔ پانی کی جگہ سونا بھرا ہوا تھا۔ شہزادے نے زور سے کہا ''سونا ہے......!''

اسی وقت اوپر سے رستے میں بندھی ہوئی ٹوکری نیچے آئی۔ شہزادے نے ٹوکری کو سونے سے لبالب بھر دیا۔ کھوجی نے ٹوکری اوپر کھینچ لی۔ پھر دوسری ٹوکری اوپر گئی، پھر تیسری، پھر چوتھی...... پانچویں ٹوکری اوپر جا کر واپس نہیں آئی۔ شہزادہ کچھ دیر انتظار کرتا رہا۔ ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ اچانک گڑگڑاہٹ سی ہوئی۔ اب شہزادہ مکمل اندھیرے میں تھا۔ کنویں کا منہ بند کر دیا گیا تھا۔ اس کی موم بتی بھی بجھ چکی تھی۔ اصل میں کھوجی کی نیت خراب تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ شہزادہ اس کے ساتھ دولت میں حصے دار بنے۔ جوں ہی سونا اس کے ہاتھ لگا، اس نے اسے گدھے پر لادا، کنویں پر پتھر رکھا اور خوشی خوشی اپنے گھر کی راہ لی۔

کھوجی کے دھوکا دینے پر پہلے تو شہزادے کو بے حد دکھ ہوا، مگر پھر اس نے یہ کہہ کر دل کو تسلی دے لی کہ موت اور زندگی خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اگر اللہ کو میری زندگی منظور ہے تو وہ کوئی نہ کوئی راستہ نکال ہی دے گا۔ یہ سوچ کر شہزادے کا حوصلہ کچھ بڑھا اور وہ آنے والے وقت سے بے فکر ہوگیا۔ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتے ہوئے اچانک اس کی نظر ادھر پڑی جدھر اس کے خیال میں خانہ کعبہ تھا۔ شہزادے نے مکے کی طرف منہ کر کے ظہر کی نماز ادا کی۔ وہ سجدے میں گرا ہوا دعا کر رہا تھا کہ اسے پانی گرنے کی مدھم سی آواز سنائی دی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کہیں دُور جھرنا گر رہا ہو۔ وہ ٹٹولتا ٹٹولتا اسی سمت چل دیا۔ کنویں میں ایک جانب

چٹانوں کے درمیان سے راستہ باہر کو جاتا تھا مگر یہ راستہ اتنا تنگ تھا کہ آدمی رینگ کر ہی گزر سکتا تھا۔ وہ جوں جوں آگے بڑھا، پانی گرنے کی آواز زیادہ صاف سنائی دینے لگی۔ آخر وہ اس جگہ پر پہنچ گیا جہاں سے چشمہ پھوٹتا تھا۔ یہاں سخت سردی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ ساری سردی یہیں سے نکل کر پہاڑوں پر پھیلتی ہے۔

''ٹھیک ہے۔'' شہزادے نے اپنے آپ کو سمجھایا۔ ''اگر خدا کی یہی مرضی ہے تو بسم اللہ، میں اسی راستے پر چلوں گا۔ زندگی اور موت تو خدا کے ہاتھ میں ہے۔'' یہ کہا اور بے جھجک پانی میں کود گیا۔ پانی کی تیز لہریں اسے کہیں سے کہیں لے گئیں۔ اندھیری اور لمبی سرنگوں میں سے ہوتا ہوا وہ ایک ایسے سفر پر جا رہا تھا جس کے متعلق اسے کچھ معلوم نہ تھا۔ پھر اسے اپنے سامنے روشنی نظر آئی اور یوں لگا کہ وہ اب چٹانوں سے نکل کر ایک خوب صورت ہری بھری وادی میں بہہ رہا ہے۔ اس وادی میں پہنچ کر شہزادے پر دھوپ کی گرم کرنیں پڑیں تو اسے کچھ ہوش آیا، ہمت کر کے وہ دریا کے کنارے کی طرف تیرنے لگا۔ پھر پتھروں کا سہارا لے کر دریا سے باہر آ گیا۔ کافی دیر تک کنارے پر لیٹا دھوپ تاپتا رہا۔ سورج کی گرمی سے اس کے جسم میں طاقت آ گئی۔ کپڑے بھی سوکھ گئے۔ اب بھوک نے ستایا تو وہ آہستہ آہستہ دریا کے بہاؤ کے ساتھ چلنے لگا۔ اسے یقین تھا کہ دریا کسی نہ کسی گاؤں یا شہر کے پاس سے گزرتا ہوگا، کیوں کہ عام طور پر بستیاں دریاؤں کے کنارے ہی آباد کی جاتی ہیں۔ اسے زیادہ چلنا نہیں پڑا۔ تھوڑے فاصلے پر اسے چند خیمے نظر آئے۔ خیمے میں رہنے والے لوگ شہزادے کو کچھ عجیب سے لگے۔ وہ شہزادے کو دیکھ کر بالکل خوش نہ ہوئے لیکن جب شہزادے نے انہیں یہ بتایا کہ وہ کس طرح موت کے منہ سے بچ کر آیا ہے اور دُنیا میں اس کا کوئی نہیں تو ان کو رحم آ گیا۔ انہوں نے اسے کھانے پینے کو دیا اور اپنے پاس رہنے کی اجازت بھی دے دی۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا۔ وہ لوگ شہزادے کے دوست بنتے گئے۔ بہت دنوں بعد شہزادے کو پتا چلا کہ ان لوگوں نے شروع میں اسے کیوں ناپسند کیا تھا۔ دراصل یہ لوگ قزاق (ڈاکو) تھے اور قافلوں کو لوٹ کر اپنا اور اپنے بیوی بچوں کا پیٹ پالتے تھے۔ وہ شہر سے باہر گھات لگائے بیٹھے رہتے۔ جوں ہی کوئی قافلہ شہر میں داخل ہوتا یا باہر نکلتا، اسے لوٹ لیتے۔ یہ شہر ابراہیم بادشاہ کی سلطنت ہی میں تھا۔ شہزادے کو ان قزاقوں کی زندگی بے حد پسند آئی۔ وہ جلد ہی ان میں گھل مل گیا۔

''میری قسمت میں یہی لکھا تھا۔ میں انہیں کے ساتھ رہوں گا۔'' شہزادے نے اپنے آپ کو سمجھایا اور قزاقوں میں شامل ہو گیا۔ کئی مہینے گزر گئے۔ شہر کے لوگوں نے بادشاہ سے درخواست کی کہ ہمیں قزاقوں کی لوٹ کھسوٹ سے بچایا جائے۔ لٹیروں کے ہاتھوں ان کی جان ہر وقت خطرے میں ہے۔ شاید ہی کوئی قافلہ ہو گا جو بغیر لٹے پٹے شہر میں داخل ہوا ہو۔ سوداگروں نے کاروبار کرنا چھوڑ دیا ہے۔ بازار خالی پڑے ہیں۔ کھانے کی چیزوں کی قیمتیں چڑھ گئی ہیں۔ غریبوں کی حالت بہت خراب ہے۔

بادشاہ ابراہیم کو جب یہ خبر ملی تو اس نے ڈاکوؤں سے نمٹنے کا فیصلہ کیا اور ایک فوجی دستہ لے کر شہر سے روانہ ہو گیا۔ تقریباً بیس میل کا سفر طے کرنے کے بعد فوج ڈاکوؤں کے سر پر جا پہنچی اور اس نے ان پر اچانک حملہ کر دیا۔ دونوں طرف کے آدمی بہادری سے لڑے لیکن ڈاکو تعداد میں کم تھے، اس لیے شاہی فوج کا پلّہ بھاری رہا۔ شام ہونے تک ڈاکوؤں کے بہت سے ساتھی یا تو مارے گئے یا قیدی بنا لیے گئے۔ شہزادے کو اس جنگ میں بڑا لطف آ رہا تھا اور وہ بڑی بے جگری سے لڑ رہا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ اس کے ساتھی کٹ کٹ کر گر رہے ہیں تو چند ساتھیوں کو لے کر پیچھے ہٹ گیا اور شاہی فوج پر تیر برسانے لگا۔ ایک تیر بادشاہ کے سینے میں جا لگا۔ شاہی فوج جیت چکی تھی، اس لیے بادشاہ نے زخم کی پرواہ نہ کی اور شہر واپس آ گیا۔ وہ بڑی مشکل سے گھوڑے سے اُترا۔ ڈاکٹروں کو بلایا گیا مگر سینے کا زخم اتنا گہرا تھا کہ بادشاہ کی زندگی کی کوئی امید نہ رہی۔ اسی حالت میں کئی دن گزر گئے۔ آخرکار ڈاکٹروں نے بتایا کہ بادشاہ کا آخری وقت آ گیا ہے۔ وہ اسے نہیں بچا سکتے۔ اس موقع پر بادشاہ نے اپنے نجومی کو بلایا اور کہا:

''کئی برس گزرے، تم نے بتایا تھا کہ اگر میرا بیٹا شیر کا لقمہ نہ بنا تو وہ مجھے مار ڈالے گا۔''

''جی ہاں، عالی جاہ۔'' نجومی نے جواب دیا۔

''اور تم کو یہ بھی یاد ہوگا کہ جب ہم نے اس تہہ خانے کی تلاشی لی تھی جس میں شہزادے کو رکھا گیا تھا تو وہاں آیا اور شیر کی لاشوں کے سوا کچھ نہ ملا تھا۔''

''جی......'' نجومی نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

"تو پھر اے نجومی، میرے بیٹے کو کسی معجزے نے شیر کے پنجے سے بچا لیا ہے اور یہ نوجوان وہی ہونا چاہیے کیوں کہ میری موت اسی کے ہاتھوں لکھی ہے مگر میں اس وقت ایک ڈاکو کے تیر سے مر رہا ہوں۔ کیا یہ ممکن ہے؟"

"حضور، اگر آپ کا بیٹا زندہ ہے تو وہ ڈاکوؤں کے اس گروہ



میں شامل ہے۔" بادشاہ نے جب یہ سنا تو حکم دیا کہ قیدیوں کو اس کے سامنے لایا جائے۔ جب وہ آ گئے تو بادشاہ نے ان سے پوچھا:

"تم میں سے کس کے تیر سے میں زخمی ہوا ہوں؟"

ایک ڈاکو آگے بڑھا اور ایک نوجوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "اے بادشاہ، آپ اس نوجوان کے تیر سے زخمی ہوئے ہیں۔ یہ نوجوان چند مہینے پہلے ہمارے گروہ میں شامل ہوا تھا۔ ہم میں سے کوئی بھی اس کے بارے میں نہیں جانتا کہ یہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔" ابراہیم نے نوجوان سے پوچھا:

"تمہارا نام کیا ہے، اور تم کہاں کے رہنے والے ہو؟"

"مجھے ابن ابراہیم یعنی ابراہیم کا بیٹا کہتے ہیں۔ یہی میرا نام ہے۔ اس کے سوا میں اور کچھ نہیں جانتا۔ مجھے نہیں معلوم میرا باپ کون تھا۔ بس اتنا یاد ہے کہ جب میں بچہ تھا تو ایک تہہ خانے میں رہتا تھا۔ میرے ساتھ میری آیا تھی۔ پھر ایک دن وہاں ایک شیر آیا اور اس نے ہم دونوں پر حملہ کر دیا۔ میری آیا مر گئی۔ میں زخمی ہو گیا۔"

شہزادے نے بادشاہ کو بتایا کہ کس طرح شکاریوں نے اس کی پرورش کی، وہ زخمی ہوا تو کس طرح خزانوں کے کھوجی نے اس کی دیکھ بھال کی، اسے کنویں میں اُتارا اور سارا سونا لے کر رفو چکر ہو گیا۔ پھر کنوئیں میں کس طرح اسے چشمے کا پتا چلا اور وہ کنویں سے نکلنے میں کام یاب ہو گیا۔ پھر وہ قزاقوں کے گروہ میں شامل ہو کر قافلوں کو لوٹنے لگا۔ ساری کہانی سنا کر شہزادے نے بادشاہ سے درخواست کی:

"بادشاہ سلامت، میرے ساتھیوں کو آزاد کر دیجیے۔ آپ میرے تیر سے زخمی ہوئے ہیں۔ ان کا کوئی قصور نہیں۔"

"یہی میرا بیٹا ہے۔" ابراہیم نے کہا۔ پھر باقی قیدیوں کے بارے میں حکم دیا۔ "اگر یہ قسم کھائیں کہ آئندہ لوٹ مار نہیں کریں گے تو انہیں آزاد کر دیا جائے۔" اس کے بعد ابراہیم نے اپنے وزیروں کو بلایا اور کہا: "خدا جو قسمت میں لکھ دیتا ہے، وہ پورا ہو کر رہتا ہے۔ اب میرے تخت و تاج کا مالک میرا بیٹا ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے پاس کھڑے حیران پریشان شہزادے کو گلے لگایا اور تاج اس کے سر پر رکھ دیا۔ پھر ایسے لیٹ گیا جیسے بہت تھک گیا ہو۔ ابراہیم کے چہرے پر عجیب مسکراہٹ تھی۔ اس سے پہلے کہ بیٹا باپ سے کچھ کہے، بادشاہ ہمیشہ ہمیشہ کی نیند سو گیا۔ ☆



داؤدی علمی آزمائش

درج ذیل دیئے گئے جوابات میں سے درست جواب کا انتخاب کریں۔

1۔ کلمۂ طیبہ کے پڑھنے کو کیا کہا جاتا ہے؟

i۔ الصلوۃ ii۔ تہلیل iii۔ تحیت

2۔ بانیٔ پاکستان اور نیوٹن میں کون سی بات مشترک تھی؟

i۔ وفات 11 ستمبر ii۔ پیدائش 25 دسمبر iii۔ لنکن اِن یونیورسٹی

3۔ یہ شعر علامہ اقبالؒ کے مجموعے ضربِ کلیم سے لیا ہے۔ مکمل کیجیے۔

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں ....

4۔ کتنی مرتبہ مسلسل کامیابی حاصل کرنے کو ہیٹ ٹرک کہا جاتا ہے؟

i۔ تین مرتبہ ii۔ چار مرتبہ iii۔ پانچ مرتبہ

5۔ برصغیر کا پہلا اُردو اخبار کون سا تھا؟

i۔ پیسہ اخبار ii۔ زمین دار iii۔ جہاں نما

6۔ نور الدین زنگی کا انتقال کب ہوا؟

i۔1174ء ii۔1175ء iii۔1176ء

7۔ ریڈیم کس زبان کا لفظ ہے؟

i۔ جرمن ii۔ فرانسیسی iii۔ لاطینی

8۔ قراردادِ پاکستان کس نے پیش کی تھی؟

i۔ چوہدری خلیق الزماں ii۔ مولوی فضل الحق iii۔ سر محمد شفیع

9۔ مینارِ پاکستان کا ڈیزائن کس نے بنایا؟

i۔ نصر الدین مرات خان ii۔ صادقین iii۔ چغتائی

10۔ علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کے لیے الگ ریاست کا تصور کب پیش کیا؟

i۔1930ء ii۔1940ء iii۔1941ء

جوابات علمی آزمائش فروری 2017ء

1- 26 ویں پارے 2- نمک 3- علامہ اقبالؒ 4- بیڈمنٹن
5- کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ 6- سنگا پور
7- پانچ ٹانگیں 8- اورنگ زیب عالمگیر 9- اُصول ارشمیدس
10- 16 نومبر 1897ء

اس ماہ بے شمار ساتھیوں کے درست حل موصول ہوئے۔ ان میں سے 3 ساتھیوں کو بذریعہ قرعہ اندازی انعامات دیئے جارہے ہیں۔

☆ مائرہ مصطفیٰ، اسلام آباد (150 روپے کی کتب)
☆ ابوہریرہ، شیخوپورہ (100 روپے کی کتب)
☆ مسفرہ علی، خوشاب (90 روپے کی کتب)

دماغ لڑاؤ سلسلے میں حصہ لینے والے کچھ بچوں کے نام بہ ذریعہ قرعہ اندازی:
حسن رضا سردار وصفی، کاموکی۔ حلیمہ نشان، کاموکی۔ علمدار حسین جعفری، سرگودھا۔ ناظم علی وٹو، اوکاڑہ۔ ایمان فاطمہ، لاہور۔ عبدالرحمٰن جمیل احمد، حافظ آباد۔ بتیہ رحمان، لاہور۔ تیمیہ مریم، لاہور۔ صفی اللہ بلوچ، فیصل آباد۔ محمد ارحم معراج، سرگودھا۔ رمیین زہرہ، بہاول پور۔ دانش علی، حویلی لکھا۔ سعد اللہ، حویلی لکھا۔ طٰہٰ یاسین، حیدر آباد۔ وردہ زہرا سیال، جھنگ۔ مائرہ حنیف، بہاول پور۔ سندس آسیہ، کراچی۔ امائمہ مزمل، لاہور۔ فیضان رضوان، گوجرانوالہ۔ حفصہ ظفر، گوجرانوالہ۔ مریم ناصر، گوجرانوالہ۔ اقراء قیصر، گوجرانوالہ۔ شفاء منیر، گوجرانوالہ۔ حادیہ امجد، تلہ گنگ۔ آبلہ زہراء، لاہور۔ مریم طارق، راول پنڈی۔ شیخ رافع احسان غوری، ملتان۔ محمد ابراہیم، گوجرانوالہ۔ مریم مصطفیٰ، رحیم یار خان۔ زہرا بتول، نارووال۔ عدن سجاد، جھنگ۔ محمد احمد خان غوری، بہاول پور۔ محسن علی، شیخوپورہ۔ محمد اسد، کراچی۔ محمد عمر فاروق، سیال کوٹ۔ سارہ انعم، بہاول پور۔ محمد عمر اشرف، خانیوال۔ محمد منیب ستار، سیال کوٹ۔ سعد رحمٰن، گوجرانوالہ۔ انجم السحر، ملک وال۔ عروج فاطمہ، کھاریاں۔ پاکیزہ نور، مریدکے۔ عائشہ ادریس، راول پنڈی۔ تصور عباس، خوشاب۔ محمد بن خالد، لاہور۔ محمد عبداللہ ثاقب، پشاور۔ ربیعہ توقیر، کراچی۔ مریم منیر، چونیاں۔ شاہ زیب احمد، راول پنڈی۔ محمد حذیفہ اویس، فیصل آباد۔ کیڈٹ حمزہ باقر، سرائے عالمگیر۔ جویریہ فیصل، گجرانوالہ۔ ملک محمد احسن، راول پنڈی۔ عائشہ ہارون، کراچی۔ احمد حسن، چشتیاں۔ سلمان یوسف سمیجہ، علی پور۔ مریم ملک ذوالفقار، گجرانوالہ۔ اعجاز احمد، لاہور۔ محمد فاروق خان، ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ احمد حسن، کاموکی۔ عارف احمد، منڈی بہاؤ الدین۔ نعمان احسن، بہاول پور۔ مریم اسحاق، ایبٹ آباد۔ عمران خان، لاہور۔ احمد عبداللہ، کوئٹہ۔ احور کامران، کراچی۔ خدیمہ، زہرا، نواب شاہ۔



نبی آخری الزمان حضرت محمد رسول اللہ ﷺ

حضرت محمد ﷺ کی آمد کی خوش خبری تمام انبیاء کرام دیتے رہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے بارگاہ الٰہی میں دعا فرمائی کہ ''اے میرے پروردگار! اہل عرب میں سے ایک رسول بھیج جو ان کو تیری آیات پڑھ کر سنائے اور ان کو کتاب وحکمت سکھائے۔ ان کو ہر قسم کی بُرائیوں سے پاک کرے، بلا شبہ تو غالب حکمت والا ہے۔ توریت میں لکھا ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپؑ نے بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے فرمایا۔

''خداوند سینا سے آیا اور شعیر (بیت اللحم) سے ان پر طلوع ہوا اور فاران کے پہاڑ پر وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا۔ اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشی شریعت ان کے لیے تھی۔'' یہ فتح مکہ کی طرف اشارہ تھا۔

قرآن کے الفاظ میں حضرت عیسیٰؑ نے نبی اکرم ﷺ کی بشارت اس طرح دی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ''اور وہ وقت قابل ذکر ہے جب عیسیٰؑ ابن مریم نے کہا۔ ''اے بنی اسرائیل! میں تمہاری جانب اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، توریت کی تصدیق کرتا ہوں جو میرے سامنے موجود ہے اور بشارت دیتا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد (فارقیط) ہوگا، لیکن جب ان کے پاس خدا کا وہ پیغمبر دلائل لے کر آگیا تو کہنے لگے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ چنانچہ یہ ع

دعائے خلیل اور نوید مسیحا

آپؐ 9 ربیع الاول بمطابق 20 اپریل 571ء بروز سوموار صبح صادق کے وقت مکہ میں حضرت آمنہ کے ہاں پیدا ہوئے۔ آپؐ کعبہ کے متولی حضرت عبدالمطلب کے پوتے تھے جن کا سلسلہ نسب حضرت اسماعیلؑ کے توسط سے حضرت ابراہیمؑ سے جا ملتا ہے۔ حضورؐ کے والد حضرت عبداللہ آپؐ کی پیدائش سے کچھ مدت پہلے شام سے واپس آتے ہوئے یثرب کے قریب انتقال فرما گئے تھے۔ دادا نے پوتے کی ولادت باسعادت کی خبر سنی تو فوراً اس یتیم پوتے کو گود میں لیا اور خانہ کعبہ میں لے جا کر آپؐ کا نام محمدؐ رکھا۔ والدہ محترمہ نے آپؐ کا نام احمدؐ تجویز کیا۔

عرب کے دستور کے مطابق آنحضرت کا بچپن قبیلہ سعدیہ کی ایک نیک بخت عورت حلیمہ کے گھر میں گزرا۔ جب آپؐ کی عمر مبارک چھ سال ہوئی تو آپؐ کو ایک اور بڑا صدمہ دیکھنا پڑا۔ آپؐ کی والدہ اپنے شوہر کی قبر دیکھنے کے لیے یثرب میں تشریف لے گئیں۔ وہاں سے واپسی پر مقام ابوا کے قریب ان کا بھی انتقال ہوگیا۔ اس طرح آپؐ جلد ہی شفقت مادری سے بھی محروم ہو گئے۔ اب حضورؐ کے دادا حضرت عبدالمطلب آپؐ کی پرورش کرنے لگے لیکن آپؐ کی عمر ابھی آٹھ سال کی ہوئی تھی کہ شفیق دادا بھی انتقال کر گئے۔ دادا کی وفات کے بعد آپؐ کے چچا ابو طالب نے حضورؐ کو اپنی آغوش تربیت میں لے لیا اور جب تک زندہ رہے، اپنی اولاد سے بھی زیادہ عزیز رکھا۔

اس یتیمی کے باوجود آپؐ نے دوسرے انبیائے کرام کی سنت کے مطابق اپنا بوجھ کسی پر نہیں ڈالا بلکہ آپؐ نے ہوش سنبھالنے پر بکریاں چرائیں اور تجارت کی۔ تجارت میں دیانت داری اور حق گوئی وہ اسباب تھے جس نے مکہ کی مشہور دولت مند خاتون حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کو جو اپنی نیکیوں کی وجہ سے مکہ میں ''طاہرہ'' یعنی پاک کے نام سے مشہور تھیں، حضورؐ کو نکاح کا پیغام دینے پر مجبور کیا۔ اس وقت آپؐ کی عمر 25 سال کی تھی اور حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس سال کے قریب تھی۔

ہر حل کے ساتھ کوپن چسپاں کرنا ضروری ہے۔ آخری تاریخ 10/ مارچ 2017ء ہے۔

کھوج لگائیے

نام: ______

شہر: ______

مکمل پتا: ______

موبائل نمبر: ______

ہر حل کے ساتھ کوپن چسپاں کرنا ضروری ہے۔ آخری تاریخ 10/ مارچ 2017ء ہے۔

دماغ لڑاؤ

نام: ______

مقام: ______

مکمل پتا: ______

موبائل نمبر: ______

مارچ کا موضوع ''مینار پاکستان'' ارسال کرنے کی آخری تاریخ 08/ مارچ 2017ء ہے۔

ہونہار مصور

نام ______ عمر ______

مکمل پتا: ______

موبائل نمبر: ______

میری زندگی کے مقاصد

کوپن پُر کرنا اور پاسپورٹ سائز رنگین تصویر بھیجنا ضروری ہے۔

نام ______ شہر ______

مقاصد ______

موبائل نمبر: ______



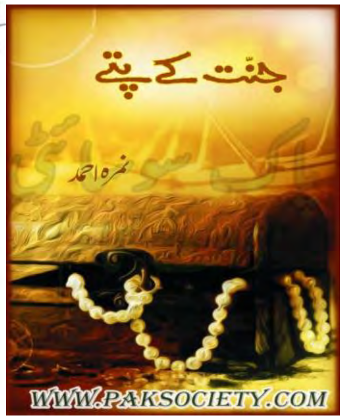
کھیل دس منٹ کا

ق	ث	ژ	ش	ہ	ی	ن	پ	م	ک
ا	ظ	ا	ر	ک	ا	ن	ط	د	ج
ن	ڑ	ی	ڈ	ر	ا	ک	ی	ر	ء
و	ٹ	ل	س	ے	ف	ب	غ	ے	ز
ن	ء	ب	گ	ل	ط	ء	ج	ک	ر
ف	ز	م	ف	ا	ر	ت	ع	ا	م
ح	ق	س	ت	ح	ر	ی	ک	ی	ٹ
ے	ظ	ا	ہ	ش	پ	گ	چ	م	س
م	ق	ص	گ	ن	ڈ	ن	ف	ٹ	ک
ع	پ	ر	و	ا	ز	ش	ض	خ	ذ

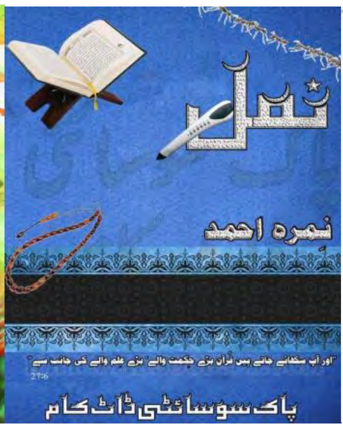
آپ نے حروف ملا کر دس نام تلاش کرنے ہیں۔ آپ ان ناموں کو دائیں سے بائیں، بائیں سے دائیں، اُوپر سے نیچے اور نیچے سے اُوپر تلاش کر سکتے ہیں۔ آپ کے پاس وقت دس منٹ کا ہے۔ جن ناموں کو آپ نے تلاش کرنا ہے وہ یہ ہیں:

ارکان، کسٹمرز، قانون، فنڈنگ، ریکارڈ، اسمبلی، پرواز، تحریک، اعتراف، کمپنی

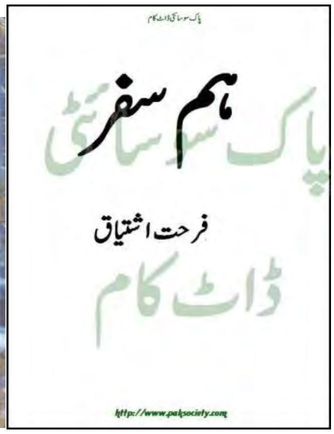
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

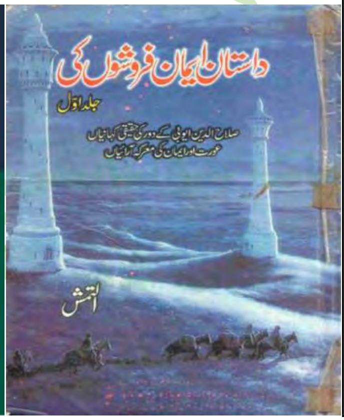




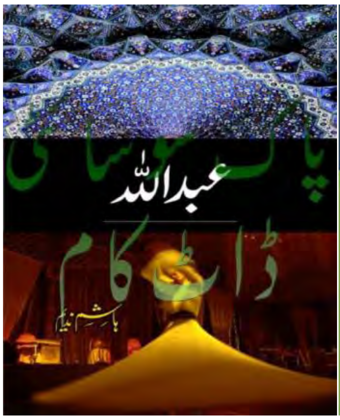


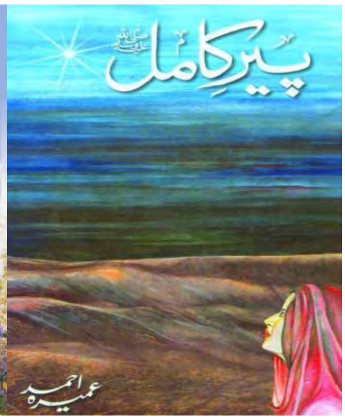


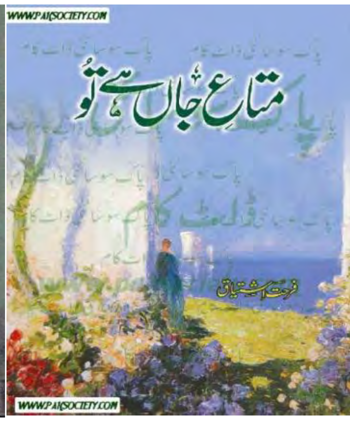


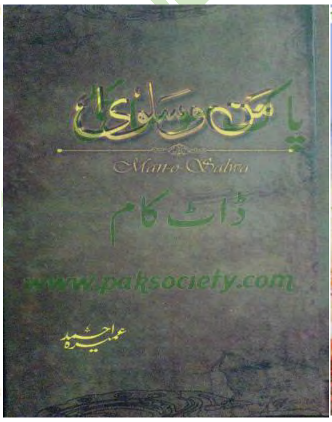




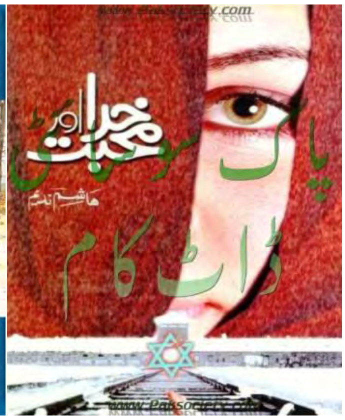


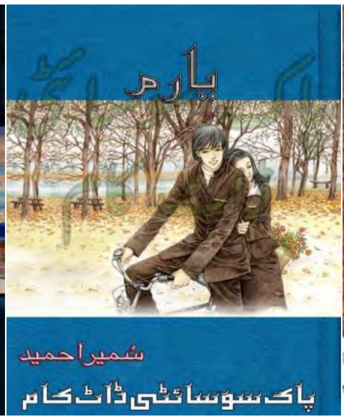




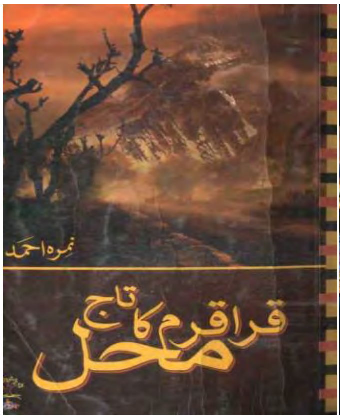












ایک محنتی نوجوان کی کہانی

صالحہ محبوب

ڈاکٹر اللہ دتہ



"حارث، حاتم...... دیکھو، کون آیا ہے؟ آؤ آ کر بھائی سے ملو۔ دیکھو اللہ دتہ میرے ساتھ آیا ہے۔" چچا جان نے گھر میں داخل ہونے کے ساتھ ہی اپنے دونوں بیٹوں کو آوازیں دیں۔

"السلام علیکم، ابو جان!" دونوں فوراً اپنے ابو کی آواز سن کر دروازے پر آ گئے۔

"وعلیکم السلام! جیتے رہو...... خوش رہو، بھائی سے ہاتھ ملاؤ" دونوں لڑکوں نے اللہ دتے سے ہاتھ ملایا۔

"حارث، حاتم! یہ اللہ دتہ تم دونوں کا کزن نہیں بلکہ بڑا بھائی ہے۔ اب تم تینوں اکٹھے رہو گے۔ ایک ہی اسکول میں پڑھو گے اور ایک دوسرے کی مدد بھی کیا کرو گے۔ جانتے ہو یہ اللہ دتہ بڑا اچھا طالب علم ہے۔ ہمیشہ اپنی جماعت میں پوزیشن لیتا ہے۔" چچا جان نے بڑی گرم جوشی سے اللہ دتے کو اپنے بیٹوں سے ملوایا تھا۔

حارث اور حاتم دونوں نے اللہ دتے کو دیکھا، ہاتھ بھی ملائے اور پھر چچا جان کے اصرار پر اسے اپنے کمرے میں لے گئے۔

چچا جان کا گھر لاہور کے ایک انتہائی گنجان آباد علاقے میں تھا۔ ان کے گھر میں کل دو کمرے اور ایک صحن تھا۔ سب ملا کر بمشکل تین مرلے جگہ ہوگی۔ سو اتنے مختصر گھر میں ایک دوسرے کے تعاون کے بغیر رہنا ناممکن تھا۔ حاتم اور حارث پانچویں اور چھٹی جماعت میں پڑھتے تھے۔ اللہ دتہ آٹھویں جماعت کا طالب علم تھا۔ دونوں سے تھوڑا سا بڑا۔

"السلام علیکم! آ گئے آپ؟" اللہ دتے کو کمرے سے باہر چچی جان کی آواز سنائی دی۔

"ہاں! میں بھی آ گیا اور ساتھ اللہ دتہ بھی آیا ہے۔ اب وہ یہیں ہمارے پاس رہے گا۔ میرے مرحوم بھائی کی بس یہی ایک نشانی تو رہ گئی ہے۔" چچا جان اپنے بڑے بھائی، بھابھی اور ان کے چار بچوں کی حادثاتی موت پر بے حد غم زدہ تھے۔

"ہاں! بس اللہ کی مرضی۔ موٹر سائیکل پر بھائی صاحب اور سب بچے جا رہے تھے۔ سامنے سے آنے والے ٹرک نے بے دردی سے انہیں کچل دیا۔ پورا کنبہ ختم ہوگیا۔ ایک بندے کی غلطی نے سارا خاندان تباہ کر دیا۔" چچی جان بھی اپنے جیٹھ کے انتقال پر افسردہ تھیں۔

"اللہ دتہ اکیلا رہ گیا ہے۔ وہاں اپنے گھر میں ہر وقت اپنے ماں باپ، بہن بھائیوں کو یاد کرتا رہتا ہے۔ بس اسے اپنے ساتھ ہی لے آیا ہوں۔ جگہ اور ماحول بدلنے سے اس میں بھی تبدیلی

آجائے گی۔ دوبارہ نارمل ہو جائے گا۔'' چچا جان نے بیگم کو اطلاع دی۔ ''کیا ہمیشہ کے لیے اسے یہاں لے آئے ہیں؟'' چچی جان حیرت سے بولیں۔ ''ہاں! وہاں اب کون ہے جس کے پاس یہ رہے گا۔ اب یہ یہیں رہے گا اور پڑھے گا۔'' چچا جان خاصے رعب سے بولے۔

''اس کا گھر، زمین وہ سب کہاں ہیں؟'' چچی جان افسوس بھول بھال کرٹوہ میں لگ گئیں۔

''وہ سب وہیں ہے اور اسی کا ہے۔ جب بڑا ہوگا تو سنبھال لے گا۔ ابھی تو سب کچھ بہن صغریٰ اور بھائی یعقوب کے حوالے کر آیا ہوں۔ آخر اس کی سگی پھوپھی اور پھوپھا ہیں۔'' چچا جان بے نیازی سے بولے۔

''ٹھیک ہے مگر اس کا خرچ ہر ماہ گاؤں سے منگوانا۔ ہمارے پاس اتنی گنجائش نہیں کہ اس کا پورا خرچا برداشت کریں۔ شہر میں گزارہ پہلے ہی بڑی مشکل سے ہوتا ہے۔'' چچی جان بولیں۔

''بیگم تھوڑا دل بڑا کرو...... کوئی خرچ نہیں بڑھے گا۔ ہمارا اپنا بچہ ہے، جیسے حاتم اور حارث۔ بس تم اس کو کچھ مت کہنا۔'' چچا جان نے چچی کو سمجھایا۔

''ہاں ہاں! رکھوں بھی میں، پالوں بھی میں اور کچھ کہوں بھی نہ کہ دل آزاری ہوگی۔'' چچی جان کی سخت اور جھگڑالو طبیعت سے پورا خاندان واقف تھا۔ اگر اللہ دتے کے والدین اور بہن بھائیوں کی ٹریفک حادثے میں موت نہ ہوگئی ہوتی تو وہ یقیناً کبھی چچا جان کے ساتھ نہ آتا۔ اس کا گاؤں، زمینیں، بڑا سا گھر اور مال مویشی سب چھوڑنا اسے کتنا مشکل لگا تھا۔ سر سے سایہ اُٹھنے کے بعد الفاظ کے تیروں کی شدّت بھی زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ چچا جان لاہور میں ایک محکمے میں کلرک تھے، یہ چھوٹا سا مکان بھی انہوں نے کرائے پر لے رکھا تھا۔ دونوں بیٹوں کی تعلیم اور گھر کے اخراجات بمشکل پورے ہوتے تھے، ایسے میں یتیم بھتیجے کی کفالت ایک مشکل کام تھا۔

اگلے ہی روز چچا جان اسے حارث اور حاتم کے اسکول داخل کروا آئے۔ گھر کی مانند اسکول بھی چھوٹا سا ہی تھا۔ کمروں میں بے شمار بچے ٹھونسے گئے تھے۔ کلاس میں پہلے ہی دن اس کا پُرجوش استقبال کیا گیا۔ کسی نے اس کے دیہاتی حلیے کا مذاق اُڑایا تو کسی نے اس کی چپل پر جملے کسے۔ کوئی اس کے سادے سے بستے کی طرف اشارے کر رہا تھا تو کوئی اسے دیکھ کر خوب زور زور سے شعروشاعری فرما رہا تھا۔ اللہ دتہ اپنی پریشانی کا ذکر کس سے کرتا......؟ اس کے ماں باپ تو اللہ کے پاس تھے۔ اساتذہ اتنے بچوں میں نئے بچے کو شناخت بھی نہ کر پاتے تھے۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ اس نئے بچے کا پورا خاندان ایک تیز رفتار ٹرک کے لاپرواہ ڈرائیور کی تیز رفتاری کا شکار ہو چکا ہے۔ اللہ دتہ تمام ہم جماعتوں سے الگ تھلگ کچھ عرصہ اس نئے ماحول کو دیکھتا رہا اور پھر اس نے پڑھنے اور محنت کو اپنا نصب العین بنا لیا۔

گھر میں چچی جان کا رویہ روز بروز تلخ ہوتا جا رہا تھا۔ چچا جان بھی کبھار اس سے تعلیمی سرگرمیوں اور ضروریات کے بارے میں پوچھ لیتے مگر چچی جان کی تیز نگاہیں انہیں بھی زیادہ دل چسپی لینے سے باز رکھتیں۔

اللہ دتے کا دل کبھی کبھی ساری دُنیا سے انتقام لینے کو چاہتا۔ اس کا دل چاہتا وہ بھی ایک ٹرک ڈرائیور بن جائے اور ڈھیروں ڈھیر گاڑیوں اور موٹر سائیکلوں کو سواروں سمیت کچل دے تاکہ لوگوں کو احساس ہو سکے کہ بچھڑنے کی تکلیف کیسی ہوتی ہے۔ کبھی اس کا دل اپنے رشتہ داروں کے رویوں پر کُڑھنے لگتا تو کبھی لڑکوں کے فقرے اسے پریشان کر دیتے۔

اللہ دتے کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کی زمین کی کوئی آمدنی چچا جان کو نہیں مل رہی تھی۔ اس کے کپڑے پُرانے ہو کر اب پھٹنے لگے تھے۔ اس کا بستہ خستہ حال ہو چکا تھا۔ اس کی چپل میں اب مزید مرمت کروانے کی بھی کوئی گنجائش نہیں تھی اور چچی جان کے الفاظ بھی ناقابلِ برداشت تھے۔ اگلے ماہ ہونے والے سالانہ امتحان سے زیادہ فکر اسے اگلی کلاس کی کاپیوں اور رجسٹروں کی تھی۔ اسکول سے نئی کتابیں تو مفت مل جایا کرتیں مگر بچے اپنی کاپیاں خود ہی خریدا کرتے تھے۔

''اللہ دتے...... شام میں تُو کسی ہوٹل پر نوکری کر لے۔ تیرا خرچ بھی نکل آئے گا اور یہ تیری چچی کی باتیں بھی ختم ہو جائیں گی۔'' آخرکار چچا جان کو یہ تجویز دینا ہی پڑی۔

''جی چچا جان!'' اللہ دتے نے تابع داری سے ان کی بات مان لی۔ اگلے روز چچا جان اسے ایک ہوٹل میں چھوڑ آئے۔ وہ

ہوٹل دراصل ایک شادی ہال تھا۔ یہاں عموماً شام کو شادیوں کے فنکشن ہوتے تھے جس کے لیے انہیں بہت سے ویٹرز کی ضرورت ہوتی۔ اللہ دتے کے مضبوط قد کاٹھ کی وجہ سے اسے بآسانی یہ نوکری مل گئی۔ گرم گرم کھانا، مہارت سے تھالوں میں ڈال کر مہمانوں کے سامنے پیش کرنا، اللہ دتے کو یہ کام سیکھنے میں زیادہ وقت نہ لگا۔ ہاتھوں کے جلنے میں دل کے دُکھنے سے کم ہی تکلیف ہوتی تھی۔ وہ شام میں اپنی کتابیں بھی ساتھ ہی لے جاتا تھا۔ جس وقت لڑکے آپس میں گپ شپ کرتے، وہ بیٹھ کر پڑھتا رہتا۔ اس کے ساتھی لڑکے اسے کتابی کیڑا کہتے تھے۔

اس کے نویں کے امتحانات سر پر تھے اور ساتھ ہی شادیوں کا سیزن بھی اپنے جوبن پر تھا۔ اللہ دتہ اپنی مکمل توجہ اور کوشش سے سبق جلد از جلد یاد کر لیتا۔ شادی میں کبھی کبھی کسی اُستاد کی موجودگی میں وہ اپنے سوال بھی سمجھ لیتا۔ ہال کے مالک نے امتحانوں کے دنوں میں اس کی ڈیوٹی سلاد کاٹنے پر لگا دی تاکہ وہ ایک طرف بیٹھ کر کام کے ساتھ ساتھ سبق بھی یاد کرتا رہے۔

صبح میں اسکول اور شام میں ہوٹل نے اللہ دتے کے دن کو بے حد مصروف کر دیا تھا۔ دسویں جماعت میں بھی اللہ دتے کی محنت اسی طرح جاری تھی۔ اب ہوٹل کا مالک بھی اس سے خاصا تعاون کرتا۔ اللہ دتے کو شادیوں میں موصول ہونے والی ٹپ سے زیادہ کسی مہمان سے اپنا سبق سمجھنے میں زیادہ دل چسپی ہوتی۔ کچھ اساتذہ عموماً اسے ایسی تقریبات میں نظر آ جاتے جو پابندی

وقت کا خیال رکھتے ہوئے خاصا پہلے آ جایا کرتے اور پھر اللہ دتہ ان سے بھرپور استفادہ کرتا۔ دسویں کے امتحانوں کے بعد اللہ دتے کے سامنے دوسرا پہاڑ تھا۔

اسے راہنمائی کی ضرورت تھی کہ وہ مستقبل کے لیے کون سے مضمون پڑھے۔ یہ معلومات اس کے کسی جاننے والے کے پاس نہ تھیں۔ وہ سب تو صرف تندور پر روٹی لگانے کی مزدوری یا سلاد کاٹنے کی فی پلیٹ مزدوری سے واقف تھے۔ وہ کیا بننا چاہتا تھا۔ اس نوکری نے اس چاہ کی خبر ہی نہ ہونے دی تھی۔ وہ ڈاکٹر، انجینئر، اُستاد، جج، مکینک، مستری، افسر جیسے ناموں سے آگاہ تھا مگر اس کا رجحان کس طرف تھا، یہ اسے کون بتاتا۔

میٹرک میں اس کے شان دار نمبروں سے اسے پتا چلا کہ وہ تو ڈاکٹر بن سکتا ہے۔ ایک مقامی کالج نے اسے مفت داخلے کی نوید سنائی تو ایک مشہور کمپنی نے ماہانہ وظیفے کی۔ اللہ دتے نے کالج میں پڑھائی کے ساتھ ساتھ اب ہوٹل میں حساب کتاب رکھنا شروع کر



دیا تھا۔ کام آسان تھا اور پیسے بھی اچھے مل جاتے تھے۔ چچا جان کے گھر اب کبھی کبھار جاتا۔ وہ بھی دن رات کا فرق بھلا کر کام میں جت گیا تھا۔ صبح کالج میں مکمل توجہ سے پڑھائی اور شام میں نوکری مکمل دیانت داری کے ساتھ۔ دو سال جیسے پلک جھپکتے میں گزر گئے اور اب وہ انٹری ٹیسٹ میں اچھے نمبر حاصل کر کے میڈیکل کالج میں داخلے کے لیے پُر امید تھا۔

لاہور کے بڑے میڈیکل کالج کی پہلی لسٹ میں اس کا نام آنا اس کی پہلی کامیابی تھی لیکن طب کی یہ تعلیم اس سے مکمل توجہ اور وقت کی طلب گار تھی مگر وسائل کے بغیر تعلیم کا حصول ناممکن تھا۔ اب پھر وہی ہوٹل اس کا مددگار بن گیا۔ اب وہ شادی ہال کا تمام حساب کتاب دیکھتا اور زیادہ وقت اپنی تعلیم کو دینے لگا تھا۔

اللہ دتے کی ہمت اور بلند حوصلے نے اسے مسلسل محنت میں لگائے رکھا۔ اس کے ڈاکٹر بننے کے بعد مقامی اسپتال میں نوکری ملنے تک بے شمار اُتار چڑھاؤ آئے۔ اب وہ ڈاکٹر اللہ دتہ کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے۔ وہ بے شمار مریضوں کو ہنگامی حالت میں طبی سہولیات فراہم کرتا ہے۔ وہ روز بہت سے لوگوں کی جان بچاتا ہے۔ اس نے اپنے ذہن میں پیدا ہونے والے انتقامی جذبات کو بھلا دیا تھا بلکہ ایک مسیحا بننا پسند کیا، جو کہ زندگیاں بچاتا ہے۔ اسے اکثر ان زخمیوں میں کہیں اپنے والد نظر آتے تو کہیں والدہ اور کبھی کبھی اپنے چھوٹے بہن بھائی بھی اور یہ خیال اسے تھکنے نہیں دیتا کہ وہ اپنے پیاروں کی جان بچا رہا ہے، ان کے لیے آسانیاں پیدا کر رہا ہے۔

آج بھی آپ جب لاہور کے مشہور اسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں ایک نوجوان اور پھرتیلے ڈاکٹر کو زخمیوں کی بھاگ بھاگ کر دیکھ بھال کرتے دیکھیں تو نام پوچھے بغیر جان لیں کہ یہ محنتی نوجوان ڈاکٹر اللہ دتہ ہے، جس کی پیشہ وارانہ قابلیت میں میڈیکل کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ہوٹل کی ویٹری، سلاد کاٹنے، ہوٹل کا حساب کتاب رکھنے کا چھ سالہ تجربہ بھی شامل ہے۔ یہ وہ بہادر نوجوان ہے جس نے محنت سے یہ مقام حاصل کیا اور اب یہ روز بہت سے مریضوں کی جان بچاتا ہے۔ بے شمار مریضوں کے لیے مسیحا اور ان کا سہارا ہے۔

☆☆☆

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

1937ء میں بہار اور یو پی کے صوبائی اسمبلی انتخابات میں کانگریسی وزارتوں نے مسلمانوں پر بے انتہا زیادتیاں کیں، اس طرح ہندو حکومت کے خلاف مسلمان کے خدشے بالکل صحیح ثابت ہوئے۔

جب اتر پردیش (یو پی) میں مسلمانوں پر زیادتیوں کی سرِعام کارروائیاں ہونے لگیں تو قائد اعظم محمد علی جناحؒ نے مسلم لیگ کی طرف سے ایسے واقعات کی تحقیقات کے لیے چار عدد کمیٹیاں مقرر کیں اور دستور کے مطابق ہر کمیٹی کے سفر اور دوسرے اخراجات کے لیے دو ہزار روپے دیئے گئے۔ ان میں سے ایک کمیٹی کے سربراہ مولانا حسرتؔ موہانی تھے ان کمیٹیوں نے جب اپنا کام مکمل کر کے اپنی رپورٹیں قائد اعظم محمد علی جناحؒ کو پیش کیں تو قائد اعظم محمد علی جناحؒ نے اس سب سے رقم کا حساب بھی طلب کیا۔ چنانچہ چاروں کمیٹیوں کے سربراہان نے رقم کا حساب قائد اعظم محمد علی جناحؒ کے سامنے پیش کر دیا۔

قائد اعظم محمد علی جناحؒ نے سارا حساب خود دیکھا اور مولانا حسرتؔ موہانی کے حساب پر نشان لگا دیا۔ باقی کمیٹیوں میں سے کسی نے دو ہزار روپے خرچ کیے تھے، کسی نے بائیس سو۔ مولانا حسرتؔ موہانی جب تشریف لائے تو ان سے قائد اعظم محمد علی جناحؒ کی گفت گو یوں شروع ہوئی۔ قائد اعظم محمد علی جناحؒ نے مولانا حسرتؔ موہانی سے کہا کہ جناب آپ کا حساب ٹھیک معلوم نہیں ہوتا۔ مولانا نے کہا: ''وہ کیسے؟'' قائد اعظم نے فرمایا: ''آپ شاید صفر لگانا بھول گئے ہیں، آپ کا کل خرچ ایک سو چالیس روپے بنتا ہے۔ میرے خیال میں اسے کم از کم چودہ سو روپے ہونا چاہیے۔'' مولانا حسرتؔ نے کہا: ''نہیں، آپ کا اندازہ غلط ہے۔ کل خرچ ہی ایک سو چالیس روپے ہوئے ہیں۔'' قائد اعظم محمد علی جناحؒ نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: ''اتنا طویل دور ایک سو چالیس روپے میں کیسے بسر ہو گیا۔'' اس سوال پر مولانا حسرتؔ موہانی نے فرمایا: ''کیسے نہ ہوتا؟ میں تیسرے درجے میں سفر کرتا ہوں، اپنا سامان خود اُٹھاتا ہوں۔ مختصر سا بستر ساتھ ہوتا۔ تین چار آنے میں پیٹ بھر جاتا ہے۔ قوم کا پیسہ بے دریغ مجھ سے خرچ نہیں کیا جاتا۔''

؎ ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

یہ بات قائد اعظم محمد علی جناحؒ اور مولانا حسرتؔ موہانی دونوں کے لیے کہی جا سکتی ہے۔

☆☆☆



ہمیشہ سچ بولو

پیارے بچو! جھوٹ نہ بولو — جب بولو تو سچ ہی بولو
کیا اچھا کہا ہے کسی نے — بات کرو تو پہلے تولو
جھوٹ بندے کو خوار ہے کرتا — بندے کو بے کار ہے کرتا
جھوٹ کی ناؤ ڈوبتی جائے — کون بھلا پھر پار لگائے
سچ کا بول بالا ہے ہر دم — سچ کا صلہ نرالہ ہے ہر دم
پہلے تولو تو پھر بولو
جب بھی بولو سچ ہی بولو

(خواجہ حنیف ادیب، لاہور)

اقوالِ زریں

☆ اللہ کے نزدیک سب سے عظیم وہی ہیں جو دوسروں کی خدمت کرتے ہیں۔
☆ اچھے لوگوں کی صحبت اختیار کرو، اس سے تمہارے سب کام اچھے ہو جائیں گے۔
☆ خوب صورتی حسن میں نہیں بلکہ اچھے اخلاق میں ہوتی ہے۔
☆ مصیبت کا آنا ہلاکت کے لیے نہیں بلکہ امتحان کے لیے ہوتا ہے۔
☆ اگر مال دار بننا چاہتے ہو تو سوائے قناعت کے کچھ طلب نہ کرو، یہی سب سے عمدہ دولت ہے۔ (آمنہ سلام، اسلام آباد)

میری دوستی

☆ بہترین دوست وہ ہے جو اپنے دوست کا خیر خواہ ہو۔
☆ دوستی ہمیشہ غریبوں کے ساتھ کرو اور امیروں کی مجلس سے پرہیز کرو بلکہ غریب وہ ہے جس کا دوست نہ ہو۔
☆ دشمن ایک بھی بہت دوست زیادہ بھی تھوڑے ہیں۔
☆ اگر کوئی قابل شخص دوستی کے لیے نہ ملے تو نااہل سے دوستی مت کرو کیوں کہ دوست وہی ہے جو مصیبت میں کام آئے۔
☆ دوست کو غم دینے سے آپ کو خوشی تو مل سکتی ہے لیکن دوست کو خوشی دینے سے آپ کو غم نہیں مل سکتا۔

(مومنہ عامر حجازی، لاہور)

خوب صورت بات

جب تم نماز نہیں پڑھتے یہ نہ سوچو کہ تمہیں وقت نہیں ملا بلکہ یہ سوچو کہ تمہارا کون سا ایسا گناہ تھا کہ تمہیں اللہ نے اپنے سامنے کھڑا کرنا بھی پسند نہ کیا۔ (فہد شاہ، مانسہرہ)

مرزا غالب کے جوتے

ایک رات مرزا غالب کے ایک دوست ان سے ملنے پہنچے، تھوڑی دیر ٹھہر کر جانے لگے تو مرزا غالب شمع دان اُٹھا کر دروازے تک آئے تاکہ روشنی میں جوتے نظر آ جائیں۔ دوست نے کہا۔ ”قبلہ! آپ نے تکلیف کیوں اُٹھائی میں اپنے جوتے خود پہن لیتا۔“ غالب نے جواب دیا۔ ”میں شمع دان آپ کے جوتے دکھانے نہیں لایا، بلکہ اس لیے لایا ہوں کہ کہیں آپ میرے جوتے نہ پہن جائیں۔ (فائزہ رزاق، خانیوال)

ہیرے جواہرات

☆ خوش نصیبی ایک ایسا پرندہ ہے جو تکبر کی منڈیر پر زیادہ دیر تک نہیں بیٹھ سکتا۔
☆ جو نصیحت پر عمل نہ کرے وہ جان لے کہ اس کا دل ایمان سے خالی ہے۔
☆ جو کچھ مانگنا ہے اپنے رب سے مانگ جو واپسی کا تقاضا نہیں کرتا۔
☆ عالی شان مکان کی چاہت کرنے والے کو قبر یاد رکھنی چاہیے۔
☆ جو شخص دوسروں کے غم سے بے غم ہے وہ انسان کہلانے کا مستحق نہیں۔ (کشف جاوید، فیصل آباد)

قائداعظم کے ساتھی......عبدالرب نشتر

سردار عبدالرب نشتر، اقبالؒ اور قائداعظمؒ کی قیادت کے امین تھے۔ 23 مارچ 1940ء کی منظوری اور قیام پاکستان کے بعد آپ کی بے شمار خدمات ہیں۔ عبدالرب نشتر قائداعظمؒ کے شیدائی تھے۔ اس کی مثال 1946ء میں شملہ میں منعقد ہونے والی ایک تاریخی کانفرنس کا واقعہ ہے۔ وائسرائے ہند لارڈ ویول صدارت کر رہے تھے۔ کانگریس کے راہ نما جن میں گاندھی اور پنڈت جواہر لال نہرو

اور سردار پٹیل جو کٹر ہندو ذہنیت کے مالک تھے۔ ان کا پورا نام ولبھ بھائی پٹیل تھا۔ پٹیل دورانِ گفتگو قائداعظمؒ، صدر مسلم لیگ کے لیے غیر شائستہ زبان استعمال کرنے ہی والا تھا کہ سردار عبدالرب نشتر نے اس کو عملاً وہ مزہ چکھایا کہ ساری زندگی نہیں بھول پایا۔ آپ خوش گوار قسم کی شخصیت تھے۔ جوانی میں اُبھرتے ہوئے شاعر تھے۔ تخلص نشتر رکھا۔ 1958ء میں وفات پائی اور قائداعظمؒ کے مزار کے احاطے میں دفن ہوئے۔

نواب بہادر یار جنگ

نواب بہادر یار جنگ، قائداعظمؒ کے ایک معتمد ساتھی تھے۔ نظریہ پاکستان کے زبردست حامی تھے۔ وہ اقبال کے مردِ مومن کے پیکر تھے۔ مسلم لیگ کے کئی اجلاسوں میں شرکت کی۔ انہوں نے 1943ء کے کراچی کے اجلاس میں تحریک پاکستان میں واضح کیا کہ اس مملکت پاکستان کا آئین اسلامی اصولوں پر مبنی ہوگا۔ اس موقع پر قائداعظم محمد علی جناحؒ جو خود بھی اس اجلاس میں موجود تھے۔ انہوں نے میز کو اپنے انگوٹھوں سے بجاتے ہوئے بھرپور حمایت اور ستائش کا تاثر دیا تھا۔ آپ بلا کے خطیب تھے، اُردو زبان کے دلدادہ تھے اور ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ 1944ء میں صرف 39 سال کی عمر میں وفات پائی۔

(احور کامران، لاہور)

حکمت کی باتیں

☆ چپ رہنا اس سے بہتر ہے کہ دل کی بات کسی سے بیان کریں۔
☆ حد سے زیادہ غصہ کرنا نفرتیں پیدا کرتا ہے اور بے موقع نرمی وقار کو مٹاتی ہے۔
☆ دشمن سے فریب مت کھاؤ اور تعریف کرنے والے کی تعریف سے دھوکا مت کھاؤ۔
☆ اچھی سوچ اچھا اور بری سوچ برا پھل دیتی ہے۔
☆ آخرت کا غم دل کا نور ہے۔

(بشریٰ حسینی، کلورکوٹ)

غصہ

ایک شہ زور پہلوان غصے میں ایسا لال پیلا ہو رہا تھا کہ زبان سے گالی اور منہ سے کف جاری تھا۔ کسی روشن دل بزرگ نے دیکھ کر پوچھا: ''اس کی یہ حالت کیسے ہوگئی؟'' لوگوں نے کہا: ''اسے فلاں شخص نے گالی دی ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''یہ کم حوصلہ بھاری مگدڑ تو اُٹھا لیتا ہے مگر ایک ننھی سی بات کا بوجھ نہیں اُٹھا سکتا۔ غصے کی عادت شیطان کا کام ہے، عاجزی انسان کی صفت ہے۔''

(زُہل رانا، لاہور)

سنہری باتیں

☆ گناہوں کو پھیلانے کا ذریعہ مت بنو۔
☆ آرام سے زندگی گزارنا چاہتے ہو تو اپنے دل سے لالچ نکال دو۔
☆ معاف کر دینے سے انسان کی اپنی روح پاک ہو جاتی ہے۔
☆ رات کا کھانا نہ چھوڑو، چاہے ایک مٹھی کھجور ہی کیوں نہ ہو۔
☆ جو شخص تمہارا غصہ برداشت کر لے اور ثابت قدم رہے، وہ تمہارا سچا دوست ہے۔
☆ جو غلطی نہیں کرتا وہ فرشتہ ہے جو غلطی کر کے اس پر ڈٹ جائے وہ شیطان ہے اور جو غلطی کر کے فوراً توبہ کرے وہ انسان ہے۔
☆ جب تک تیرا اترانا اور غصہ کرنا باقی ہے، اپنے آپ کو اہل علم میں شمار نہ کر۔

(حبیب الرحمٰن، ننکانہ صاحب)

حرفِ نصیحت

خدا کی زمیں پہ نہ چل یوں اکڑ کر
زمیں کو نہیں پھاڑ سکتا تو بڑھ کر
نہ پھیلا کبھی خود کو حد سے زیادہ
مناسب ہے جینا سمٹ کر سکڑ کر
کبھی جن کا انجام اچھا نہ دیکھا
ملے گا کیا ایسے کاموں میں پڑ کر
نصیبوں میں اس کے نہیں امن و راحت
جو اوروں سے رہتا ہے لڑ کر جھگڑ کر
کچل کر جو اوروں کو آگے بڑھتے تھے
کئی گر پڑے ہیں بلندی پہ چڑھ کر
فتح مند زمانے میں دیکھا انہی کو
جو رہتے ہیں دُنیا میں اوروں سے جڑ کر
اگر ہو سکے تو ضیاءؔ چلتے رہنا
کوئی راستہ درمیانی پکڑ کر

(شرافت ضیاءؔ، اسلام آباد)

میری زندگی کے مقاصد

سعد علی، لاہور



میں ڈاکٹر بن کر انسانیت کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔

فیصل شاہین، چاوے والا



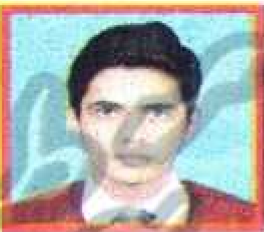
میں بڑا ہو کر عالم دین بن کر ملک و قوم کی خدمت کروں گا۔

آمنہ وسیم، ایبٹ آباد



میں بڑی ہو کر ڈاکٹر بنوں گی اور ایسی ادویات بناؤں گی جس سے لوگ جلد صحت یاب ہوں۔

محمد انیس جاوید، فیصل آباد



میں بڑا ہو کر انشاء اللہ پائلٹ بنوں گا اور ملک کا نام روشن کروں گا۔

طیبہ ارشد، شرقپور شریف



میں بڑے ہو کر سی ایس ایس آفیسر بن کر قوم کی خدمت کروں گی۔

حاجرہ شہزاد، گوجرانوالہ



میں بڑی ہو کر فوجی بننا چاہتی ہوں اور ملک کے دشمنوں کا خاتمہ کرنا چاہتی ہوں۔

امن وحید بٹ، لاہور



میں بڑی ہو کر خدمت خلق کر کے دوسروں کے کام آنا چاہتی ہوں۔

محمد نعمان قاضی، وہاڑی



میں بڑا ہو کر پاک فوج میں شمولیت اختیار کر کے اپنے ملک کی حفاظت کروں گا۔

محمد حامد رضا، لاہور



میں بڑا ہو کر انجینئر بن کر ملک کا نام روشن کروں گا۔

محمد منیب الرحمٰن، کامرہ کینٹ



میں بڑا ہو کر ایئر فورس میں جاؤں گا، دشمن کا مقابلہ کروں گا اور پاکستان کا نام روشن کروں گا۔

علمدار حسین رضوی، پھلوال



میں انجینئر بن کر ملک کی خدمت کروں گا اور اپنے ملک کا نام روشن کروں گا۔

محمد رئیس گلباز، لاہور



میں بڑا ہو کر انجینئر بنوں گا اور ملک و قوم کی خدمت کروں گا۔

عزیزہ طارق، سرگودھا



میں بڑا ہو کر ڈاکٹر بنوں گا اور ملک و قوم کی خدمت کروں گا۔

ثمر نثار، راولپنڈی



میں ڈاکٹر بن کر غریب لوگوں کا مفت علاج کروں گا۔

زہرا بتول، لاہور



میں ڈاکٹر بن کر غریبوں کا مفت علاج کروں گی۔

منزہ خلیل، لاہور



میں بڑی ہو کر عالمہ بنوں گی اور دین اسلام کی خدمت کروں گی۔

روبن، سکھر



میں بڑا ہو کر پائلٹ بنوں گا اور اپنے ملک کا نام روشن کروں گا۔ پاکستان زندہ باد!

سید تیمور علی خالد، جھنگ صدر



میں بڑے ہو کر پائلٹ بننا چاہتا ہوں اور ملک و قوم کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔

دردہ رضوان، راولپنڈی



میں بڑی ہو کر استانی بنوں گی اور ملک کے غریب بچوں کا مستقبل سنواروں گی۔



ایک موٹے آدمی کو ڈاکٹر نے کہا: ''آپ روزانہ دس کلومیٹر پیدل چلا کریں۔'' پورے ایک سال بعد ڈاکٹر کو اسی آدمی کا ٹیلی فون آیا اور اس نے ڈاکٹر صاحب سے پوچھا: ''میں دبلا تو ہو چکا ہوں، لیکن افغانستان آ پہنچا ہوں۔ اب آپ بتائیں کہ میں آگے چلوں کہ نہیں؟''
(اسامہ سجاد انور، لاہور)

ایک پاگل (دوسرے سے): ''آج میں نے بس کے پیچھے دوڑ لگا کر اپنے بیس روپے بچا لیے۔''
دوسرا پاگل: ''تم تو پاگل ہو، اگر ٹیکسی کے پیچھے دوڑ لگاتے تو تمہارے دو سو روپے بچ جاتے۔'' (ایاز احمد، لاہور)

پہلا دوست: ''میں نے آج دنیا کا حسین ترین آدمی دیکھا۔''
دوسرا دوست: ''جھوٹ...... میں تو آج گھر سے نکلا ہی نہیں۔''

☆

باپ (بیٹے سے): ''اگر تم اگلے سال میٹرک میں پاس ہو گئے تو میں تمہیں موٹر سائیکل لے کر دوں گا۔'' اگلے سال جب امتحان کا نتیجہ آیا تو بیٹا فیل ہو گیا۔ باپ نے بیٹے سے کہا: ''تم پھر فیل ہو گئے، آخر تم سارا سال کیا کرتے رہے ہو؟'' بیٹے نے معصومیت سے کہا: ''میں موٹر سائیکل چلانے کی مشق کر رہا تھا۔''

☆

کلاس میں دو بچوں نے شور مچا رکھا تھا۔ ٹیچر نے دونوں کو سزا کے طور پر ان کو اپنا اپنا نام سو بار لکھنے کو کہا۔ ایک بچہ تو فوراً شروع ہو گیا جب کہ دوسرا رونے لگا۔ پہلے نے پوچھا: ''رو کیوں رہے ہو؟'' دوسرے نے روتے ہوئے جواب دیا: ''تمہارا نام تو علی ہے، تم تو لکھ لو گے اور میرا نام آغا غیاث الدین محمد اکمل خان ہے، میں کیا کروں؟''

☆

ایک صاحب اپنے ایک بیمار دوست سے کہنے لگے: ''یہ کرو، وہ کرو تاکہ جنت ملے۔'' بیمار نے پوچھا: ''جنت میں کیا ملے گا؟'' ان حضرات نے جواب دیا: ''دودھ اور شہد وغیرہ۔'' بیمار نے برجستہ جواب دیا: ''کوئی فائدہ نہیں، ڈاکٹر نے ان چیزوں کے کھانے سے پرہیز کے لیے کہا ہے۔'' (ملیحہ نور، لاہور)

اُستاد: ''اگر دُنیا میں پانی ختم ہو جائے تو؟''
شاگرد: ''دودھ تو خالص ملے گا۔''

☆

حیدر (باپ سے): ''ابو! دس روپے دیں، کسی غریب آدمی کو دینے ہیں۔''
باپ: ''وہ آدمی کہاں ہے؟''
حیدر: ''وہ گلی میں کھڑا لڈو بیچ رہا ہے۔''
(حیدر علی حجازی، لاہور)

مرنے کے بعد ایک شاعر کے پاس فرشتے حساب لینے کے لیے آئے۔ فرشتوں نے کہا: ''آپ کہاں رہنا پسند کریں گے، جنت میں یا دوزخ میں؟'' شاعر نے بے تکلفی سے کہا: ''جہاں سامعین کی تعداد زیادہ ہو۔'' (حاشر الاسلام، لاہور)

بچہ: ''ابو! اگر آپ کو پتا چلے کہ میں اوّل آیا ہوں تو آپ کیا کریں گے؟''
باپ: ''میں تو خوشی سے پاگل ہو جاؤں گا۔''
بچہ: ''بس اسی ڈر سے میں فیل ہو گیا۔'' (میمونہ نوید، راول پنڈی)

اُستاد (شاگرد سے): ''سب بچوں نے دودھ پر دو صفحوں کا مضمون لکھا ہے اور تم نے صرف دو سطروں پر...... کیوں؟''
شاگرد: ''جناب! میں نے خالص دودھ پر مضمون لکھا ہے۔''

☆

افسر: ''تم نے جنگ میں کیا کارنامہ انجام دیا؟''
سپاہی: ''میں نے ایک آدمی کی ٹانگ اُڑا دی۔''
افسر: ''گردن کیوں نہیں اُڑائی؟''
سپاہی: ''وہ پہلے سے اُڑی ہوئی تھی۔''
(محمد عبداللہ آصف، چونیاں)

نھے قارئین



بوجھو تو جانیں

1- ایک ہی ایسا کاریگر
دیکھ اس کا خوب ہنر
پتے وہ دن رات بنائے
ایک سے ایک نہ ملنے پائے

2- ایک سمندر تمیں جزیرے
بکھرے ان میں موتی ہیرے
جو بھی ان کی سیر کو جائے
مفت میں موتی ہیرے کو پائے

3- سورج کے جانے پر تین
سورج کے آنے پر دو
صدیوں سے ہوتا آیا ہے
اور قیامت تک یہ ہو

(محمد عادل آصف، قصور)

4- ایک بڈھے کے سر پر آگ
گاتا ہے وہ ایسا راگ
اس کے منہ سے نکلے ناگ
جو تیزی سے جائے بھاگ

5- جس کے پاؤں کے نیچے آئے
کانوں کو وہ ہاتھ لگائے

6- یقیناً وہ بزدل ہے جس نے کھایا
بہادر وہ ہے جس نے پی کر دکھایا

7- چپکے چپکے عرش پہ آ جائے
تحفے لے کر فرش پہ آئے

(مقدس چوہدری، راول پنڈی)

8- خود ہلے دوسروں کو ہلائے
اس کا ہلنا من کو بھائے

9- بلی ایک سفید میں نے دیکھی
بیٹھی تھی گم صم
جسم تھا اس کا سارا ہی گورا
ہری تھی لیکن دم

(ملیحہ نور، لاہور)

جوابات: 1- خداوند کریم 2- قرآن شریف 3- پانچ نمازیں 4- حقہ 5- جائے نماز 6- غصہ 7- دعا 8- پنکھا 9- مولی



اس باغ میں چھ چیزیں، گیند، ٹائی، جوتا، کتاب، برش اور ٹوپی چھپی ہوئی ہیں۔
یہ کتے بہت دیر سے تلاش کر رہے ہیں
مگر انہیں نہیں ملتیں۔
کیا آپ تلاش کر سکتے ہیں؟
ایک ایک چیز کو غور سے دیکھیے۔

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براؤزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

نئی بہار

چمن چمن ، روش روش ہجومِ رنگ و نور ہے
قدم قدم پہ ذرّہ ذرّہ رشکِ اوجِ طور ہے
دلوں میں تازگی ہے اِک، نگاہ میں سرور ہے
کلی کلی میں اِک نئی امنگ مُشک بار ہے

جدھر نظر اُٹھایئے ، بہار ہی بہار ہے

جہاں کو جس کا انتظار تھا وہ صبح آ گئی
نئی حیات ، کائناتِ آرزو پہ چھا گئی !
نسیم خوش گوار غنچہ غنچہ کو ہنسا گئی
یہاں وہاں ، اِدھر اُدھر خوشی کی اک پھوار ہے

جدھر نظر اُٹھایئے ، بہار ہی بہار ہے

گلوں کو جھولنا جھلا رہی ہیں شوخ ڈالیاں
دلوں کو گدگدا رہی ہیں طائروں کی بولیاں
یہ پیاری پیاری تتلیاں یہ تتلیوں کی ٹولیاں
یہ تتلیاں ہیں یا کوئی گلوں کی اِک قطار ہے

جدھر نظر اُٹھایئے ، بہار ہی بہار ہے

کہاں چمن میں اب وہ رنگِ خلفشار ، آ گئی
جلو میں اپنے لے کے لطفِ کردگار آ گئی
خدا کا شکر ہے چمن میں پھر بہار آ گئی
نظر نظر میں اِک نیا خیال بے قرار ہے

کہ شوقِ علم کا بھی اِک عجیب ہی خمار ہے

جدھر نظر اُٹھایئے ، بہار ہی بہار ہے

اوج: بلندی
مشک: خوش بو
نسیم: ٹھنڈی اور خوش بودار ہوا
خمار: نشہ

الطاف پرواز

خلفشار: گڑبڑ
جلو: ہم راہی میں
کردگار: خالق اللہ تعالیٰ



ٹی بی

ٹی بی درحقیقت "Tuberculosis" نامی بیماری ہے۔ جس کا ذمہ دار ایک بیکٹیریم ہے جس کا نام Mycobacterium Tuberculosis ہے۔ اسے



''MTB'' سے مختصراً لکھا جاتا ہے۔ "Robert Koch" نے 1882ء میں یہ بیکٹیریا دریافت کیا۔ یہ بیکٹیریا پھیپھڑوں (Lungs) کو متاثر کرتا ہے۔ اس بیماری کو پلمونری (Pulmonary) ٹی بی کہا جاتا ہے۔ اگر پھیپھڑے کی جھلی (Pleura)، دماغ، پیشاب کی نالی اور ہڈیوں وغیرہ کو متاثر کرے تو ایکسٹرا پلمونری ٹی بی کہلاتی ہے۔ یہ بیماری بچوں، بڑوں سب کو ہوسکتی ہے۔ سگریٹ پینے والوں کو بیماری کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔ بچوں کو پیدائش کے وقت ویکسین مہیا کر کے بیماری سے بچنے میں مدد ملتی ہے۔ ٹی بی کے مرض کو اُردو میں ''سل'' کہا جاتا ہے۔ یہ بیماری 5000 سال سے انسانوں میں ظاہر ہو رہی ہے۔ فرعون کے زمانے کی محفوظ ممیاں (Mummy) سے معلوم ہوا ہے کہ تب بھی 2400 سے 3000 قبل مسیح ٹی بی کا مرض موجود تھا۔ پہلی مرتبہ 1906ء میں اس بیماری کی ویکسین متعارف ہوئی۔ ہر سال 24 مارچ کو ورلڈ ٹی بی ڈے منایا جاتا ہے۔

چھانگا مانگا

چھانگا مانگا (Changa Manga) کا جنگل ضلع قصور میں موجود ہے جسے 1864ء میں ڈاکٹر جان لنڈسے اسٹیورٹ (John Lindsay Stewart) کی تجویز پر قائم کیا گیا۔ یہ جنگل تحصیل چونیاں میں لاہور سے 60 کلومیٹر کی دُوری پر ہے۔ اس زمانے میں چھانگا اور مانگا نام کے افراد کی ہیبت سے علاقہ



مشہور تھا یوں اس کا نام چھانگا مانگا کا جنگل پڑ گیا۔ اس جنگل کا رقبہ 12000 ایکڑ پر مشتمل ہے۔ قیام کے وقت یہ دُنیا کا سب سے بڑا انسانی کاوش کی بنیاد پر قائم جنگل تھا۔ لکڑی اور ایندھن کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے 1866ء میں بڑی تعداد میں درخت لگائے گئے۔ زمین کا انتخاب برطانوی حکومت کے جرمن ماہر برتھ ہولڈ ری بن ٹروپ (Berthold Ribbentrop) نے کیا جو اس وقت جنگلات کے انسپکٹر جنرل تھے۔ ابتداء میں 8400 ایکڑ پر درخت لگائے گئے۔ 1870ء میں یہ درخت 9129 ایکڑ پر پھیل گئے۔ جنگل کے اندر جانے کے لیے 600 ملی میٹر (2 feet guage) کی ریلوے پٹری بچھائی گئی۔ 1916ء میں اس جنگل میں شہتوت کے درختوں پر ریشم (Silk) کے کیڑے پالنے شروع کیے گئے۔ 2008ء میں اس جنگل میں بہت سے جانوروں کی نسل بچانے کے لیے 140 ایکڑ رقبہ پر جنگلی حیات کے تحفظ کا زون بنایا گیا ہے۔ یہاں پر جھیل، جھولے،

کھانے پینے کی دُکانیں بھی قائم ہیں۔ آج 60 فی صد یہ جنگل ختم ہو چکا ہے۔ دنیا بھر میں ہر سال 21 مارچ کو جنگلات کا عالمی دن منایا جاتا ہے۔

فرانسیسی زبان

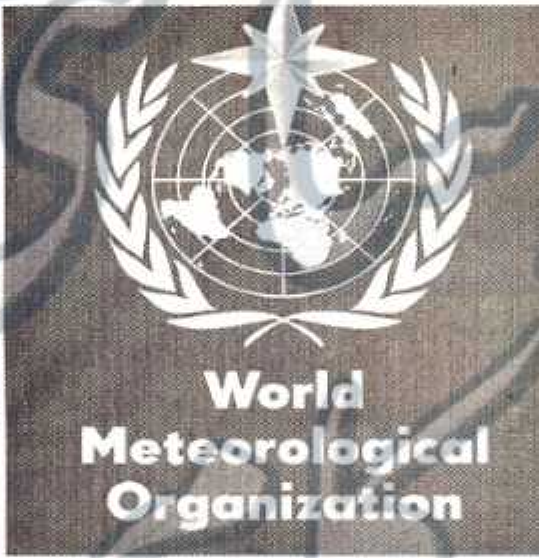
یورپی ملک فرانس سمیت دُنیا بھر میں 80 کروڑ سے زائد لوگ فرانسیسی زبان (French Language) بولتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر سال 20 مارچ کو فرانسیسی زبان کا عالمی دن منایا جاتا ہے۔ اس دن کو ''انٹرنیشنل ڈے آف فرانکوفونی'' کہا جاتا ہے۔ یہ زبان دُنیا کے انتیس ممالک میں سرکاری زبان کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔ ''فرنچ اکیڈمی'' کے نام سے قائم ادارہ زبان و بیان کے فنی و تکنیکی معاملات کو دیکھتا ہے۔ اس زبان کو بولنے والے فرانس،



کینیڈا، بلجیئم، سوئٹزرلینڈ، مناکو، امریکہ، گیبون، لبنان، الجیریا، موریشیس، پرتگال، سینیگال اور آئیوری کوسٹ و چند ایشیائی علاقوں میں رہتے ہیں۔ ان ممالک میں فرانسیسی زبان کے لب و لہجے میں فرق پایا جاتا ہے۔ اس زبان میں 17 "Vowels" پائے جاتے ہیں۔ حروف تہجی جیسے s، x، z، t، n، p اور g وغیرہ عموماً خاموش (Silent) ہیں۔ یہ زبان لاطینی رسم الخط میں 26 حروف کے ساتھ لفظ بنا کر لکھی جاتی ہے۔ اس زبان میں جو لفظ ''a'' پر ختم ہو وہ زنانہ اور جو لفظ ''o'' پر ختم ہو مردانہ معنوں میں لیا جاتا ہے۔ "La abuela" کا مطلب ہے ''دادی'' اور "La abuelo" کا مطلب ہے ''دادا''۔ اس زبان کے نامور لکھاریوں میں Victor Hugo اور شعراء میں Charles Baudelaire خاص طور سے مقبول ہیں۔

محکمۂ موسمیات

فضا (Atmosphere) کی سائنسی بنیادوں پر جانچ و مطالعہ کا علم "Meteorology" کہلاتا ہے۔ دُنیا کے ایک سو اکیانوے ممالک میں اس مقصد کے لیے محکمۂ موسمیات (Meteorological Department) کام کر رہے ہیں۔ چناں چہ اقوام متحدہ کے پرچم تلے ورلڈ میٹیریولوجیکل آرگنائزیشن (WMO) کا ادارہ 1950ء سے کام کر رہا ہے۔ اس تنظیم کا صدر دفتر جنیوا سوئٹزرلینڈ میں واقع ہے۔ اس تنظیم کے موجودہ صدر



(David Grimes) ہیں جن کے بعد سیکریٹری جنرل "Petteri Taalas" ہیں جو آرگنائزیشن کو اقوام متحدہ کے تحت چلا رہے ہیں۔ اس میں دُنیا بھر کے موسموں اور "Climate" کی نگرانی شامل ہے۔ یہ تنظیم عالمی کلاؤڈ (Cloud) اٹلس بھی شائع کرتی ہے۔ اس اٹلس کا پہلا شمارہ 1896ء میں منظر عام پر آیا تھا لیکن بعدازاں اس تنظیم نے اس ذمہ داری کو سنبھالا۔ دُنیا کے دس ممالک اس تنظیم کے ممبر نہیں، تاہم وہاں محکمۂ موسمیات موجود ہے۔ ان میں گنی، پالو (Palau)، سان مرینو وغیرہ جیسے ممالک شامل ہیں۔ دُنیا بھر میں بین الاقوامی محکمۂ موسمیات کا دن ہر سال 23 مارچ کو منایا جاتا ہے۔ پاکستان میں محکمۂ موسمیات 1947ء سے کام کر رہا ہے۔ اس کو پی ایم ڈی یعنی پاکستان میٹیریولوجیکل ڈیپارٹمنٹ کہا جاتا ہے۔ اس ادارے کا ہیڈ کوارٹر پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد میں ہے۔

☆☆☆



والدین کی خدمت ..... دنیا و آخرت کی نیکی

محمد علیم نظامی

ماں خالقِ کائنات کی خوب صورت ترین مخلوق ہے اور ابنِ آدمؑ کے لیے رب کائنات کا سب سے انمول تحفہ ہے۔ ماں کا لفظ ادا کرتے ہی منہ میں شیرینی گھل جاتی ہے اور دماغ میں ایک نرم، شفیق اور حلیم ہستی کا تصور اُبھرتا ہے۔ ماں کی بے مثل شفقت ومحبت اور جانثاری کی بدولت بچہ زندگی کے کٹھن کام کا آغاز نہایت آرام وسکون سے کرتا ہے۔ مغربی مفکرین بھی ماں کی حرمت اور عظمت کا اعتراف ہر دور میں کرتے رہے ہیں لیکن موجودہ مغربی معاشرے میں ان مقدس رشتوں کی دلوں میں قید کرنے کی روایت جس طرح جڑ پکڑ رہی ہے تو اس کی مثال وہ دن ہے جو ہر سال 14 مئی کو منایا جاتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ماں کی شخصیت سال میں ایک دن کی محتاج ہے؟ مغرب کی نقالی میں ہم بھی مدرڈے مناتے ہیں۔

ارشاد نبیؐ ہے: ”بے شک اللہ کے لوگو! بہشت تمہاری قدموں کے تلے ہے۔ اس حدیث میں ماں کے قدموں تلے جنت رکھ کر اس عظیم ہستی کے مقام و مرتبہ کا تعین کر دیا گیا ہے۔ آپؐ کا یہ ارشادِ گرامی تمام مسلمانوں کے لیے ہدایت ہے۔ آپؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ اگر تمہاری ماں عبادت گزار ہے۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج کی پابند ہے یا اس نے حج کیا ہوا ہے تو تب ہی اس کے پاؤں تلے جنت ہے بلکہ آپؐ نے بلاتخصیص ارشاد فرمایا ہے کہ جنت تمہاری ماں کے قدموں تلے ہے۔ خدا نہ کرے کہ کسی کی ماں خواہ عبادت گزار نہ ہو تو بھی اس کی جنت اس گناہ گار ماں کے قدموں میں ہی ہے۔ والدین کے لیے عزت اور خدمت کے بعد ان کی اطاعت کی بھی تاکید موجود ہے۔

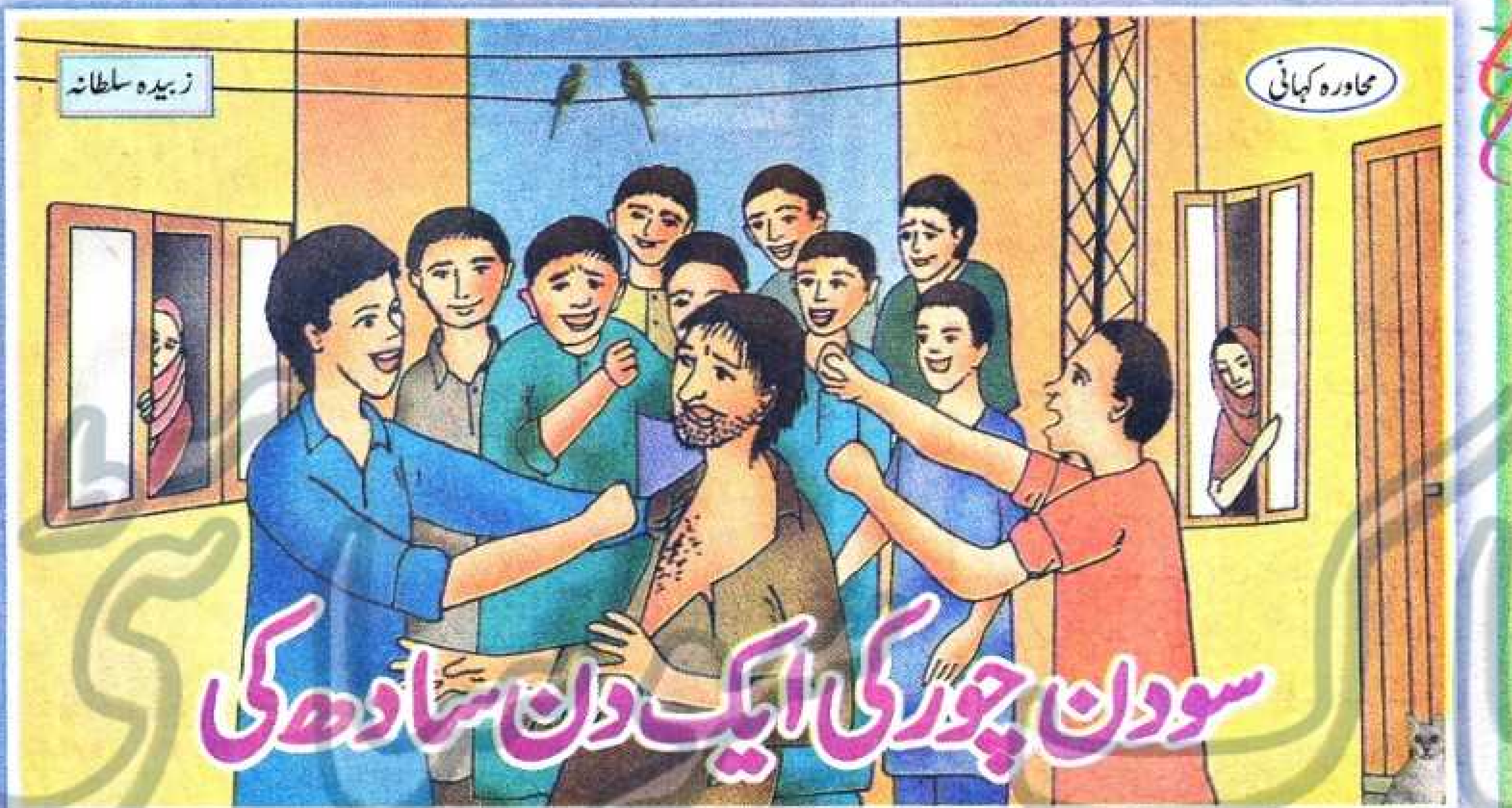
حضرت موسیٰؑ سے منسوب ایک واقعہ ہے: ”ایک مرتبہ کوہ طور پر آپؑ نے اللہ تعالیٰ سے دریافت فرمایا کہ رب ذوالجلال مجھے بتا کہ جنت میں میرا ساتھی کون ہو گا؟ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی۔ ”فلاں فلاں علاقے میں ایک قصاب ہے، وہی جنت میں تیرا ساتھی ہو گا۔ یہ سن کر حضرت موسیٰؑ منزلِ مقصود پر پہنچ جاتے ہیں اور قصاب کو اپنی دکان پر بیٹھا پایا۔ آپؑ نے اس سے کہا کہ آج میں تیرا مہمان ہوں۔ اس نے کہا بیٹھ جائیں۔ آپؑ اس کے قریب بیٹھ گئے۔ آپؑ اس کی حرکات و سکنات کا جائزہ لینے لگے تاکہ یہ جان سکیں کہ اس کا وہ کون سا پسندیدہ اور مقبول فعل ہے جس نے اسے اتنی بلندیوں تک پہنچایا ہے۔ شام کے وقت وہ آپؑ کو اپنے گھر لے گیا۔ آپؑ نے دیکھا کہ قصاب کی والدہ نابینا ہے۔ ہاتھ پاؤں کام نہیں کرتے۔ سارے دانت ٹوٹ چکے ہیں۔ الغرض وہ سراپا ضعیف ناتوانی اور کمزوری کا مرقع تھی۔ سب سے پہلے قصاب نے اپنی والدہ کا ہاتھ منہ دھلایا، بال سنوارے۔ کھانے سے فارغ ہوکر اس کی والدہ نے اپنے رب کی بارگاہ میں ہاتھ اُٹھایا اور یہ دعا صدق دل سے کی کہ اے خدا! میرے بیٹے کو جنت میں ضرور حضرت موسیٰؑ کا ہم نشین بنا۔ اس بوڑھی عورت کے ان الفاظ کو سن کر آپؑ کو حقیقتِ حال کا علم ہوا کہ اس کا بلند مرتبہ صرف اس کی ماں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے۔

ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ ایک صحابی نے عرض کیا۔ ”یارسولؐ ایک راہ میں ایسے گرم پتھروں پر کہ اگر ان پر گوشت ڈالا جائے تو کباب ہو جائے گا، میلوں تک اپنی والدہ کو گردن پر سوار کر کے لے گیا ہوں، کیا میں نے اس کا حق ادا کر دیا؟ حضورؐ نے فرمایا، تمہاری پیدائش کے وقت درد کے باعث جس قدر تکلیف اس نے اُٹھائی ہے، اس ایک لمحے کا حق بھی تم نے ادا نہیں کیا۔“

☆☆☆

محاورہ کہانی

زبیدہ سلطانہ



سو دن چور کی ایک دن سادھ کی

شام کو زینت مرغیوں کو ڈربے میں بند کرنے لگی تو اس نے دیکھا کہ آج پھر اس کی ایک مرغی کم ہے۔ اب تک اس کی چار مرغیاں غائب ہو چکی تھیں اور یہ پانچویں تھی، حالاں کہ یہ کالی اور سفید چتیوں والی مرغی زینت کو بہت پیاری تھی۔ اس مرغی کا کھو جانا زینت کسی صورت برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ وہ رونے لگی، رات کا کھانا بھی نہیں کھایا جس پر اس کے بھائی نے وعدہ کیا کہ وہ ضرور اس چور کو پکڑے گا جو زینت کی اس قدر محنت سے پالی ہوئی مرغیوں کو چرا لے جاتا ہے۔

زینت کے بھائی رشید نے اگلے روز صبح ہی سے چوکیداری شروع کر دی مگر چور کا دستور تھا کہ وہ روز نہیں بلکہ چار پانچ دن کے وقفے سے مرغی چراتا تھا۔ پھر بھی رشید اسے کوئی ڈھیل نہیں دینا چاہتا تھا۔ وہ بلا ناغہ چوکسی کرتا رہا۔ جیسے ہی زینت مرغیوں کو ڈربے سے نکالتی اور گھر سے باہر والے احاطے میں چھوڑ کر دانہ ڈالتی، رشید سامنے اپنے چچا کے گھر میں ایک ایسی جگہ چھپ کر بیٹھ جاتا جہاں سے چاروں طرف نگاہ جاتی تھی۔ یہ سارا دن بھی گزر گیا مگر کوئی مشتبہ شخص اس طرف نہ آیا۔ رشید کچھ بد دل ہونے لگا کہ شاید چور نے اب مزید مرغیاں پکڑنے کا ارادہ ترک کر دیا ہے۔

رشید اپنی کمیں گاہ سے نکلنے کا سوچ ہی رہا تھا کہ کچھ دور مکئی کے کھیتوں میں سے کوئی نکلا۔ شام کے جھٹپٹے میں وہ دبے پاؤں آ کر گھر کی نکڑ پر اکڑوں بیٹھ گیا۔ اس نے جیب سے ایک ڈوری نکالی جس کے ایک سرے پر کوئی چیز بندھی تھی۔ رشید کی معلومات کے مطابق یہ آٹا لگی ہوئی سوراخ والی کوڑی تھی جو مرغی چوروں کا مخصوص ہتھیار یا حربہ ہوتی ہے۔ جیسے ہی چور نے ڈوری ہولے سے مرغیوں کی طرف پھینکی، رشید پچھواڑے سے اُتر کر دبے پاؤں اس کے سر پر پہنچ گیا۔ جیسے ہی مرغی نے آٹے کی گولی نگلی، کوڑی اس کے حلق میں پھنس گئی اور چور نے ڈوری کھینچ لی۔ اس نے مرغی کو دبوچا ہی تھا کہ پیچھے سے رشید نے اسے دبوچ لیا اور ساتھ ہی ”چور چور“ کا شور مچا دیا۔ گھر سے سب نکل آئے۔ زینت نے اپنی مرغی کے حلق میں سے کوڑی والی گولی نکالی اور بھائی سے کہنے لگی:

”بھیا! اس سے کہو اور نہیں تو میری چتلی مرغی ضرور واپس کر دے۔“ رشید نے یہ سن کر جواب دیا:

”بی بی! تو ذرا صبر کر، ابھی تھانیدار ہماری مرغیوں کے علاوہ اور بھی بہت کچھ اس کے پیٹ میں سے نکال لے گا اور اسے سمجھائے گا کہ اگر سو دن چور کے ہوتے ہیں تو ایک دن سادھ کا بھی داؤ چل جاتا ہے۔“ اس کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ مجرم ایک نہ ایک دن پکڑا ہی جاتا ہے۔

☆☆☆



خوب صورت جانور اور پرندے

رانا محمد شاہد

بعض جانور و پرندے اپنی منفرد خصوصیات کی وجہ سے جانے جاتے ہیں۔ یہ خصوصیات انہیں دوسرے جانداروں سے ممتاز کرتی ہیں۔ ایسی ہی خصوصیات کے حامل کچھ جانوروں و پرندوں کا مختصر مختصر تذکرہ اس مضمون میں کیا جا رہا ہے جو یقیناً بچوں کے لیے دل چسپی کا باعث ہوگا۔

چیتا

تیز بھاگنے میں کوئی جانور چیتے کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے چیتے کا بدن اس انداز میں ڈھالا ہے کہ یہ تیزی سے دوڑ سکے۔ اس کا دل بڑا اور مضبوط ہوتا ہے۔ چیتے کے نتھنے بھی بڑے ہوتے ہیں جو تیز بھاگتے ہوئے سانس لینے میں مدد فراہم کرتے ہیں۔ اس کے پھیپھڑے بھی اپنے قد جتنے دوسرے جانوروں سے بڑے ہوتے ہیں۔ یوں دوڑتے ہوئے چیتے کو مسلسل آکسیجن ملتی ہے۔ چیتا 120 کلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ چیتے کا رفتار پکڑنے کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ یہ صرف 3 سیکنڈز میں 100 کلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار پا لیتا ہے۔ یہ بھاگنا شروع کرے تو پہلے 20 سے 25 فٹ تک دو تین چھلانگیں لگاتا ہے اور پھر رفتار پکڑتا ہے۔

کوہستانی شیر

شیر کو جنگل کا بادشاہ کہا جاتا ہے۔ یہ سب سے اونچی چھلانگ لگانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ 50 کلو گرام وزنی کوہستانی شیر حیران کن طور پر زمین سے ساڑھے 5 میٹر بلندی تک چھلانگ لگا سکتا ہے۔ زمینی جانوروں میں یہ سب سے بڑی چھلانگ ہے۔ البتہ آبی جانوروں میں ڈولفن سات میٹر بلند چھلانگ لگا سکتی ہے۔

شتر مرغ

پرندوں میں شتر مرغ سب سے بڑا پرندہ ہے۔ عام طور پر اس کا قد چھ سے آٹھ فٹ تک ہوتا ہے۔ اس کا وزن عموماً دو سے تین سو پاؤنڈ (ایک سو یا ایک سو پچاس کلو گرام) تک ہوتا ہے۔ وزن زیادہ ہونے کی وجہ سے یہ پرندہ ہونے کے باوجود اُڑ نہیں سکتا۔ قدرت نے اس کمزوری کے بدلے میں اسے بہت مضبوط ٹانگیں دی ہیں۔ اس کی مضبوط ٹانگیں اسے دوڑنے میں مدد دیتی ہیں۔ شتر مرغ سے زیادہ تیز کوئی پرندہ نہیں بھاگ سکتا۔ شتر مرغ مسلسل آدھا گھنٹہ پچاس کلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑ سکتا ہے۔ یہ 70 کلو میٹر فی



گھنٹہ کی رفتار سے بھی بآسانی دوڑ سکتا ہے۔

امریکی ہرن

عام طور پر ہرن کھلے میدانوں میں رہتے ہیں۔ یہ جنگلات و پہاڑوں پر رہنے سے گریز کرتے ہیں۔ ہرن دنیا بھر میں پائے جاتے ہیں۔ ہندوستان کے علاوہ یورپ اور افریقہ میں بھی ہرن پایا جاتا ہے۔ پاکستان میں بھی ہرن کی کئی اقسام ہیں۔ تاہم تیز دوڑنے میں شمالی امریکہ میں پائے جانے والے ہرن کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہ ہرن پانچ کلومیٹر تک 60 سے 70 کلومیٹر کی رفتار سے دوڑ سکتا ہے۔ گھروں میں پائی جانے والی بکری کے مقابلے میں اس کا دل دوگنا بڑا ہوتا ہے۔

کچھوا

کچھوے کو دُنیا میں سب سے زیادہ عمر والا جانور کہا جاتا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق کچھوے 150 سال تک زندہ رہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ 1777ء میں برطانیہ کے کیپٹن کُک کی جانب سے ریاست تانگا کے مہاراجہ کو دیا جانے والا کچھوا سب سے طویل العمر کچھوا تھا۔ یہ 1965ء کے آخر تک زندہ رہا۔ یوں اس کی عمر کا تخمینہ 188 سال لگایا گیا۔

وہیل

دودھ پلانے والے جانوروں میں شاید سپرم وہیل واحد جانور ہے جو تین ہزار میٹر گہرائی تک غوطہ لگا سکتا ہے۔ یہ نہ صرف تین ہزار میٹر تک گہرائی میں جا سکتا ہے بلکہ ایک گھنٹے تک پانی کے نیچے بھی رہ سکتا ہے۔ پانی کے نیچے اس کے خون کی گردش صرف دل اور دماغ تک محدود ہوتی ہے۔

ہیمنگ برڈ (شکر خورا)

ہیمنگ برڈ کو دُنیا کا سب سے چھوٹا پرندہ کہا جاتا ہے۔ اس پرندے کی لمبائی چونچ کی نوک سے لے کر دُم تک صرف 5 سینٹی میٹر (2انچ لمبی) ہوتی ہے۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ مرغی کے ایک انڈے کا وزن ہیمنگ برڈ کے 14 انڈوں کے برابر ہوتا ہے۔ اس پرندے کے خاندان کی ایک قسم ''مکھی چڑیا'' دُنیا میں پرندوں کے قد و قامت کے لحاظ سے سب سے چھوٹی قسم ہے۔ یہ چڑیا اپنے پَروں کو چالیس سے پچاس مرتبہ صرف ایک سیکنڈ میں حرکت دیتی ہے۔ ہیمنگ برڈ کی ایک بڑی خاصیت یہ بھی ہے کہ یہ آگے اور پیچھے دونوں طرف اُڑتا ہے۔

چمگادڑ

چمگادڑ ایک منفرد جاندار ہے۔ یہ جانوروں کی طرح اپنے بچوں کو دودھ پلاتا ہے جبکہ یہ پرندوں کی طرح اُڑنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔ اس کی سب سے حیرت انگیز بات یہ ہے کہ یہ جانداروں میں سب سے بہتر قوت سماعت رکھتا ہے۔ شکار کے وقت چمگادڑ ایسی آوازیں بھی سن لیتا ہے جو محض حساس آلات سے ہی سنی جا سکتی ہیں۔ سننے کی یہ بہترین صلاحیت شکار کے دوران بھی ان کی مدد کرتی ہے۔

گدھ

افریقی گدھ کی پرواز کو سب سے اونچی سمجھا جاتا ہے۔ 1973ء میں ایک رپل گدھ ایک ایسے ہوائی جہاز سے ٹکرایا تھا۔ جس کی بلندی گیارہ ہزار دو سو کلومیٹر تھی۔ عموماً زیادہ تر پرندے ایک سو سے دو ہزار میٹر تک کی اونچائی تک اُڑ سکتے ہیں۔ تاہم ہجرت کے وقت کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ پرندے ہمالیہ کے پہاڑوں کو عبور کرتے ہوئے نو ہزار میٹر کی بلندی کو چھو لیتے ہیں۔



قصۂ آدم کو رنگیں کر گیا کس کا لہو
تو فقط اللہ ہو ، اللہ ہو ، اللہ ہو

☆

ملی ہے ماں کی دعاؤں سے یہ امان مجھے
کہ اب تو دھوپ بھی لگتی ہے سائبان مجھے

(محمد علی، بھلوال)

وسعت قلب میں جاں نثاری پیدا ہو
ہر لحہ عجز و انکساری پیدا ہو
اے خدا روح تک سرشار ہو میری
قوت ایمان میں اتنی بیداری پیدا ہو

(عبدالجبار انصاری، لاہور)

جو اعلیٰ ظرف ہوتے ہیں ہمیشہ جھک کر ملتے ہیں
صراحی سرنگوں ہو کر بھرا کرتی ہے پیمانہ

☆

گرتے ہیں شاہ سوار ہی میدان جنگ میں
وہ طفل کیا گرے جو گھٹنوں کے بل چلے

(عائشہ صدیقہ، راولپنڈی)

نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

☆

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب!
یہ تو چلتی ہے تجھے اُونچا اڑانے کے لیے

(ماہ نور نبیل، رینالہ خورد)

کہاں سے تو نے اے اقبال سیکھی ہے یہ درویشی
کہ چرچا بادشاہوں میں ہے تیری بے نیازی کا

☆

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

(محمد احمد خان غوری، بہاول پور)

زندگی بھر کون کسی کا ساتھ دیتا ہے فراز
خشک پتوں کو تو درخت بھی گرا دیتے ہیں

(سمیعہ توقیر، کراچی)

تمنا درد دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا ہے گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں
نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

(باسط فرید گھلو، جھنگ)

وہ کون سا عقدہ ہے جو وا ہو نہیں کر سکتا
ہمت کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا

☆

نامی کوئی بغیر مشقت نہیں ہوا
سو بار جب عقیق کٹا تب نگیں ہوا

(مریم خالد، گوجرانوالہ)

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی، جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

(عائشہ امتیاز، لاہور)

کس میں ہمت کہ ہماری پرواز میں خلل ڈالے
ہم پَروں سے نہیں حوصلوں سے اُڑتے ہیں

☆

ہیں دنیا میں اور بھی سخن ور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور

(حافظہ آمنہ اسلم، جہانیاں)

لائے اس بت کو التجا کر کے
کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے

☆

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

(احور کامران، لاہور)

بلاعنوان

اس تصویر کا اچھا سا عنوان تجویز کیجئے اور 500 روپے کی کتب لیجئے۔ عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ 10/ مارچ 2017ء ہے۔



فروری 2017ء کے ''بلاعنوان کارٹون'' کے لیے جو عنوانات موصول ہوئے، اُن میں سے مجلسِ ادارت کو جو عنوانات پسند آئے، اُن عنوانات میں سے یہ ساتھی بہ ذریعہ قرعہ اندازی 500 روپے کی انعامی کتب کے حق دار قرار پائے۔

- نشانہ ایک اور تین شکار، شکاری ہے یا کوئی فنکار (انیبہ زاہد، لاہور)
- محو حیرت ہوں کہ دُنیا کیا سے کیا ہو جائے گی، مچھلی کا کانٹا اور بندوق ایک ہو جائے گی (حمنہ سعید، ٹوبہ ٹیک سنگھ)
- ہمت کرنے سے ناممکن بھی ممکن ہو جاتا ہے (محمد ابراہیم، گوجرانوالہ)
- جب آئیں گے ایسے شکاری میدان میں، تو شیر حیران اور مچھلیاں پریشان (صدف آسیہ، کراچی)
- آم کے آم گٹھلیوں کے دام (فرح نثار، چونیاں)



یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

پاک سوسائٹی خاص کیوں ہیں:-

ہائی کوالٹی پی ڈی ایف
ایڈ فری لنکس
ایک کلک سے ڈاؤنلوڈ
ڈاؤنلوڈ اور آن لائن ریڈنگ ایک پیج پر
کتاب کی مُختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
ناولز اور عمران سیریز کی مُکمل رینج

Click on http://paksociety.com to Visit Us

پاک سوسائٹی کو فیس بُک پر جوائن کریں http://fb.com/paksociety

پاک سوسائٹی کو ٹوئٹر پر جوائن کریں http://twitter.com/paksociety1

پاک سوسائٹی کو گُوگل پلس پر جوائن کریں https://plus.google.com/112999726194960503629

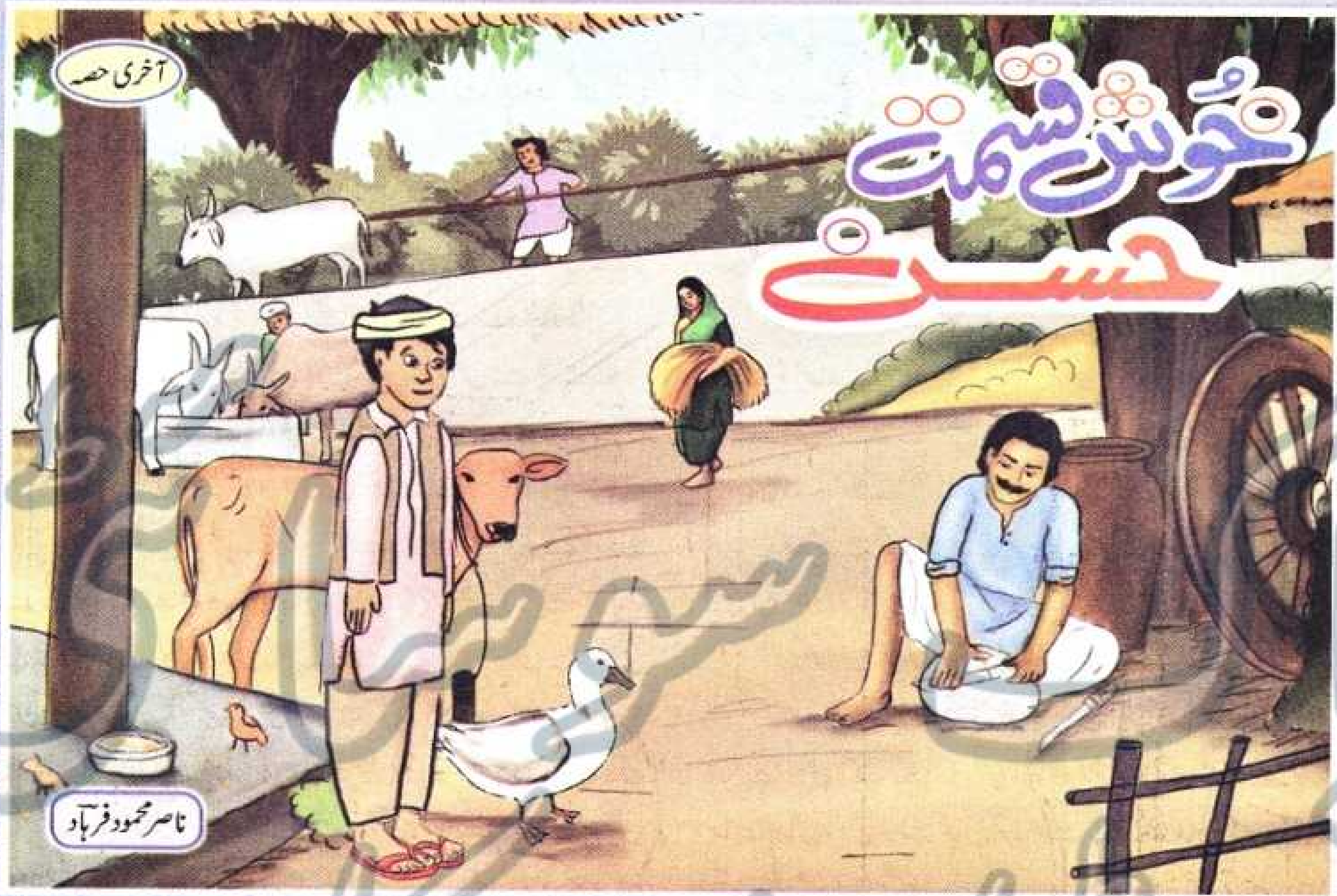
ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بُک پر رابطہ کریں۔۔۔

ہمیں فیس بُک پر لائک کریں اور ہر کتاب اپنی وال پر دیکھنے کے لئے امیج پر دی گئی ہدایات پر عمل کریں:-





"نوجوان......تم کہاں سے آ رہے ہو اور کہاں جا رہے ہو؟"

جواب میں حسن نے اسے اپنی ساری رام کتھا سنا دی اور بتایا کہ کیسے وہ خوش قسمتی سے کئی بار اچھا سودا کرنے میں کامیاب ہوا اور کیسے قسمت کی دیوی اس پر مہربان رہی۔ اس کے بعد وہ دیہاتی سے پوچھنے لگا کہ وہ اتنی بڑی بطخ اُٹھائے کہاں جا رہا ہے۔ دیہاتی کہنے لگا۔

"میں یہ بطخ بڑے زمیندار کے لیے لے کر جا رہا ہوں۔ اس کے ہاں ایک دعوت ہے جس میں وہ اس بطخ کو مہمانوں کی تواضع کے لیے پکائے گا۔ دیکھو یہ کتنی وزنی ہے حالانکہ ابھی اس کی عمر صرف آٹھ ہفتے ہے۔ اس میں سے بہت سارا گوشت نکلے گا جو بہت لذیذ ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو!" حسن بطخ کو اپنی گود میں اُٹھاتے ہوئے بولا۔ پھر کچھ دیر وہ بطخ کو اُٹھا کر اس کے وزن کا اندازہ کرتا رہا، پھر کہنے لگا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ یہ بطخ زیادہ وزنی ہے، اس میں بہت گوشت ہے۔ میرا بکرا اس کے مقابلے میں زیادہ فربہ نہیں ہے۔"

اس دوران دیہاتی غور سے حسن کے بکرے کو دیکھنے لگا۔ پھر وہ اپنا سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"میرے دوست تم اچھے آدمی نظر آتے ہو۔ مجھے لگتا ہے کہ اس بکرے کی وجہ سے تم کسی مصیبت میں پھنسنے والے ہو۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا......؟" حسن ایک دم گھبرا کر پوچھنے لگا۔

"آج میرے گاؤں کے زمیندار کا ایک بکرا چوری ہو گیا ہے اور وہ بکرا ہو بہو ایسا ہی ہے جیسا یہ تمہارا بکرا ہے، جو تم نے مجھے بتایا کہ تم نے کسی قصاب سے اپنی گائے کے بدلے میں لیا ہے۔"

"میں نے تمہیں بالکل سچ بتایا ہے۔ یہ بکرا میں نے گائے کے بدلے میں ہی لیا ہے۔" حسن پریشان ہو کر بولا۔

"مجھے یقین ہے کہ تم سچ کہہ رہے ہو لیکن اگر زمیندار کے لوگوں نے تمہیں اس بکرے کے ساتھ دیکھ لیا تو وہ تمہاری بات کا یقین نہیں کریں گے اور تمہیں پکڑ کر سخت سزا دیں گے۔ ہو سکتا ہے وہ تمہیں سزا دینے کے لیے گھوڑوں کے پانی پینے والے تالاب میں پھینک دیں۔ کیا تم تیرنا جانتے ہو؟" دیہاتی نے اسے بُری طرح ڈرا دیا۔

بے چارہ حسن پوری طرح ڈر گیا اور کہنے لگا۔
''میرے دوست...... مجھے اس مصیبت سے بچاؤ۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ قصاب اس بکرے کو کہاں سے لایا تھا۔ زمیندار کے لوگ واقعی میری بات کا یقین نہیں کریں گے مگر تم تو اسی گاؤں کے رہنے والے ہو، وہ تمہاری بات کا ضرور یقین کر لیں گے۔ براہ مہربانی تم میری مدد کرو اور مجھے اس مصیبت سے بچاؤ۔''
''میں کیسے تمہاری مدد کر سکتا ہوں؟'' دیہاتی اس سے پوچھنے لگا۔
حسن کچھ دیر سوچتا رہا، پھر کہنے لگا۔
''میرا یہ بکرا تم لے لو اور اپنی بطخ مجھے دے دو۔''
''میرے لیے یہ گھاٹے کا سودا ہے، میری بطخ تمہارے بکرے سے زیادہ قیمتی ہے مگر تمہاری خاطر اور تمہاری مشکل کو دیکھتے ہوئے میں یہ کام کرنے کو تیار ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے اس دیہاتی نے وہ بطخ حسن کو تھما دی اور خود بکرے کی رسی پکڑ لی۔ اس کے بعد وہ حسن کو خدا حافظ کہتا ہوا اپنی منزل کی جانب چل دیا۔ حسن بھی چوری کے الزام سے بال بال بچنے پر خدا کا شکر ادا کرتا ہوا اپنے راستے پر چل پڑا اور سوچنے لگا کہ یہ دیہاتی شخص کتنا رحم دل تھا۔ نجانے وہ بکرا کس کا تھا مگر اب یہ بطخ میری ہے۔ میں نے نفع کا سودا کر لیا ہے، میں نقصان میں نہیں رہا، میں بہت خوش قسمت ہوں۔
بطخ پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا کہ میں اس کو بھون کر کھاؤں گا اور ماں کو بھی کھلاؤں گا۔ اس کی چربی سے گھی بناؤں گا جو سارا سال کام دے گی۔ اس کے خوب صورت نرم و نازک پَروں کو میں اپنے تکیے میں بھروں گا، ان پر مجھے خوب نیند آئے گی۔ میری ماں بھی بہت خوش ہوگی۔ یہ سوچتے ہوئے جب وہ اگلے گاؤں کے قریب پہنچا تو اس نے چھریاں تیز کرنے والے ایک شخص کو دیکھا جو ایک خاص قسم کے گول پتھر پر لوگوں کے چاقو تیز کر رہا تھا اور اس کے بدلے میں ان سے رقم وصول کر رہا تھا۔ وہ اس گول گول پتھر کو گھماتا اور اس پر چاقو کو رکھتا تو اس کی دھار بہت تیز ہو جاتی۔ ساتھ ساتھ وہ گیت بھی گاتا جا رہا تھا۔ حسن کچھ دیر وہاں کھڑا اس کا گانا سنتا رہا، پھر کہنے لگا۔
''پتھر والے...... کیا بات ہے......؟ تم تو بہت خوش نظر آ رہے ہو۔''
''کیوں خوش نہ ہوں...... آخر میرے پاس یہ پتھر ہے جس پر میں لوگوں کے چاقو تیز کرتا ہوں اور کبھی بھی فارغ نہیں بیٹھتا۔ ہمیشہ میرے پاس رقم رہتی ہے۔ میری جیب بھری رہتی ہے...... مگر تم بتاؤ...... تم نے یہ خوب صورت بطخ کہاں سے حاصل کی ہے؟''
''یہ میں نے خریدی نہیں ہے بلکہ یہ مجھے بکرے کے بدلے میں ملی ہے۔'' حسن نے جواب دیا۔
''اور...... وہ بکرا تم نے کتنے میں خریدا تھا؟'' پتھر والے نے دوبارہ پوچھا۔
''اس بکرے کے لیے مجھے ایک گائے دینا پڑی تھی۔''
''وہ...... گائے کتنی اشرفیوں کی تھی؟''
''وہ گائے بھی میں نے خریدی نہیں تھی بلکہ اس کے بدلے مجھے اپنا گھوڑا دینا پڑا تھا۔''
''اور گھوڑے کی کیا قیمت تھی؟'' پتھر والے نے حیران ہو کر پوچھا۔
''اس کے لیے میں نے چاندی کی اشرفیوں سے بھری، اپنے سر سے بڑی ایک تھیلی دی تھی اور وہ اشرفیاں جو میں نے پورے سات سال، دن رات جان توڑ محنت کے بعد کمائی تھیں۔'' حسن کے لہجے میں اداسی تھی۔
''اب تم جب بھی اپنی جیب میں ہاتھ ڈالو گے تمہیں رقم مل جائے گی۔ تم خوش قسمت انسان ہو۔'' پتھر والا بولا۔
''خوش قسمت تو میں ہوں مگر جو تم کہہ رہے ہو، یہ کیسے ممکن ہے کہ ہر وقت میری جیب سکّوں سے بھری رہے۔'' حسن نے حیران ہو کر پوچھا۔
''دیکھو...... اس بطخ کو تو تم ایک ہی دفعہ کاٹ کر کھا جاؤ گے مگر میرا یہ پتھر جب بھی چلے گا، اس پر جب بھی چاقو چھری تیز ہو گی، اس کے بدلے گاہک سے پیسے ملیں گے۔ مجھے تم پر ترس آ رہا ہے۔ میں نے تو اس پتھر سے بہت سکّے کما لیے ہیں، میرا خیال ہے کہ یہ تمہارے لیے بہتر ہوگا کہ تم اپنی بطخ مجھے دے دو اور میرا پتھر تم لے لو۔'' پتھر والے نے تجویز پیش کی۔ اس کی بات سن کر حسن کچھ سوچنے لگا، پھر بولا۔
''تم کہتے تو ٹھیک ہو مگر مجھے تو یہ پتھر چلانا نہیں آتا۔ کیا تم مجھے بتاؤ گے کہ اس کو چلاتے کیسے ہیں؟'' حسن نے پوچھا۔
''دیکھو تم اس کو اس طرح گھماؤ جیسے میں گھماتا ہوں۔'' پتھر والے نے اسے پتھر چلا کر دکھایا اور کہنے لگا۔



"تمہیں صرف پتھر چاہیے۔ بس اس کو ایک دفعہ گھما دو، باقی کام اس نے خود کر لینا ہے۔ تمہیں زیادہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس کی قیمت تمہاری بطخ سے کم نہیں ہے۔"

حسن کہنے لگا۔ "اگر میری جیب میں ہر وقت رقم رہے تو میں اپنے آپ کو دُنیا کا خوش قسمت ترین انسان سمجھوں گا۔ تم میری بطخ لے لو اور یہ پتھر مجھے دے دو۔"

اس کی یہ بات سن کر پتھر والے نے وہ پتھر اُٹھا کر حسن کو دے دیا اور کہنے لگا۔

"یہ بہت خاص پتھر ہے۔ تم اس سے چھوٹے سے چاقو کی بھی دھار بہت تیز کر سکتے ہو۔"

حسن نے اس سے وہ پتھر لے لیا اور پُرسکون ہو کر اپنے راستے پر چل پڑا۔ اس کی آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھیں اور وہ اپنے آپ سے کہنے لگا۔

"یقیناً میں پیدا ہی خوش قسمت ہوا ہوں، میں جس چیز کی بھی خواہش کرتا ہوں، وہ مجھے مل جاتی ہے۔" انہی سوچوں میں گم وہ چلتا رہا۔ بھاری پتھر اس نے اپنے کندھے پر اُٹھا رکھا تھا۔ چلتے چلتے وہ تھک گیا، اسے بھوک بھی محسوس ہو رہی تھی مگر اس کی جیب میں تو پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی۔ وہ زیادہ دیر تک چل نہ سکا۔ پتھر کا وزن بھی کافی تھا۔ اب وہ بمشکل اپنے پاؤں اُٹھا پا رہا تھا۔ چلتے چلتے اسے اپنے سامنے ایک دریا نظر آیا۔ اسے پیاس بھی محسوس ہو رہی تھی۔ دریا پر نظر پڑتے ہی وہ بے تاب ہو گیا۔ اس نے فوراً پتھر کو دریا کے کنارے پر رکھا اور خود دوڑ کر پانی تک پہنچا۔ پتھر اس نے احتیاط سے نہیں رکھا تھا، اس لیے ڈھلوان جگہ پر وہ لڑھکنے لگا اور پھسلتا ہوا دریا کے اندر جا گرا۔ حسن پریشانی کے عالم میں اس کو دیکھتا رہ گیا۔ پتھر پانی میں گرا اور فوراً ہی دریا کی گہرائی میں ڈوب گیا۔ حسن پہلے تو چند لمحے پریشانی کے عالم میں کھڑا رہا، پھر ایک دم اس کے چہرے پر خوشی کے آثار نمودار ہوئے اور وہ خوشی سے ناچنے لگا۔ ناچتے ناچتے وہ اپنے گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گیا اور ہاتھ اُٹھا کر اللہ کا شکر ادا کرنے لگا۔ اس کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو بہہ رہے تھے اور وہ شکر ادا کر رہا تھا کہ اس قدر وزنی پتھر سے اس کی جان چھوٹ گئی۔

"اب میں خوش قسمت انسان ہوں۔" وہ خوشی سے چیخا۔ "کوئی بھی اتنا خوش قسمت نہیں جتنا میں ہوں کیوں کہ اب میری پاس کھونے اور پریشان ہونے کے لیے کوئی چیز نہیں ہے۔"

اب اس کی سب مشکلوں کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ وہ مطمئن دل سے اُٹھا اور خوشی سے بھاگتا ہوا اپنے گاؤں کی طرف چلا۔ اسے اپنا راستہ زیادہ آسان اور سیدھا معلوم ہو رہا تھا۔ ☆☆☆



مینارِ پاکستان کی کہانی

شیخ عبدالحمید عابد

آج 23 مارچ ہے۔ آج کے دن پاکستان کے کونے کونے میں لہلاتی فصلیں، اُبلتے ہوئے چشمے، بہتے ہوئے دریا، اونچی پہاڑیاں، ہموار میدان سب کے سب خوشی سے جھوم رہے ہیں۔ آج کے دن پاکستان کے بچے بچے کے چہرے پر رونق اور بہار نظر آتی ہے لیکن سب سے زیادہ بہار مینار پاکستان کے کھلے اور خوب صورت سبزہ زار میں ہوتی ہے۔ جہاں پاکستان کے ننھے منے نونہال رنگا رنگ کپڑوں میں قہقہے لگاتے اور اپنی آزادی پر فخر کرتے نظر آتے ہیں۔ ان بے شمار بچوں میں نجمہ اور عاکف بھی ہیں جو کراچی سے لاہور آئے ہیں۔ آج 23 (تئیس) مارچ کے دن اپنے ماموں جان کے ساتھ مینار پاکستان کی سیر کے نکلے ہیں۔ نجمہ ساتویں جماعت میں پڑھتی ہے اور عاکف چھٹی جماعت میں۔

نجمہ نے سر اٹھا کر مینار پاکستان کی طرف دیکھا۔ ایک بلند اور عظیم عمارت کو۔

افوہ! ''ماموں جان کتنا اونچا مینار ہے۔'' نجمہ نے حیرت اور خوشی کے ساتھ کہا۔

''جی ہاں ماموں جان!'' عاکف بول پڑا۔ ''دیکھیے تو سہی کس شان اور آن بان سے سر بلند کیے کھڑا ہے۔

''تم ٹھیک کہتے ہو عاکف!'' ماموں جان نے کہا۔

''یہ عمارت ہمیں اس بات کی یاد دلاتی ہے کہ آزادی کی جنگ میں ہم نے کس طرح فتح حاصل کی۔ یہ مینار ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ہمارے عظیم لیڈروں نے آزادی کی راہ میں کس طرح قربانیاں دیں اور آج ان قربانیوں کی وجہ سے ہم ایک آزاد قوم کی طرح اپنا سر بلند کر کے چلتے ہیں۔''

''ماموں جان! آپ ہمیں مینار پاکستان کی پوری کہانی سنائیے نا!'' نجمہ بولی۔

''اچھا تو تم میری کہانی سننا چاہتے ہو!'' اچانک آواز آئی۔ دونوں بچوں نے ادھر ادھر دیکھا۔

''ارے یہ آواز کہاں سے آئی ہے؟'' عاکف نے ماموں جان سے پوچھا۔

''آؤ آؤ بچو!'' میرے پاس آجاؤ۔ میں خود تمہیں اپنی کہانی سناؤں گا۔ آواز دوبارہ سنائی دی۔ بچوں نے پھر باغ کے چاروں طرف دیکھا لیکن وہاں تو سینکڑوں بچے ادھر ادھر خوشی سے جھوم رہے تھے۔ تب ماموں جان بولے۔

''ارے وہ دیکھو۔'' انھوں نے اوپر مینار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ نجمہ اور عاکف نے مینار کی طرف دیکھنے کے لیے سر اٹھایا اور دونوں حیران رہ گئے۔ ارے یہ کیا! مینار نے اپنا ہاتھ نجمہ اور عاکف کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا...... ''خوش آمدید۔ آؤ آؤ پیارے بچو۔ میں خود تم سے مخاطب ہوں۔ اپنے بیٹوں اپنے بہادر

بچوں سے جو آج مجھے ملنے کے لیے دور دراز کا سفر کر کے میرے پاس آئے ہیں۔ آؤ...... ادھر آؤ۔'' مینار نے اونچے چبوترے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''یہاں بیٹھ جاؤ میرے پاس۔''

نجمہ، عاکف اور ماموں جان چبوترے پر بیٹھ گئے اور مینار پاکستان نے اپنی کہانی شروع کی۔

میری کہانی اس وقت سے شروع ہوتی ہے جب پہلے مسلمان نے برصغیر پاک و ہند میں قدم رکھا۔ آہستہ آہستہ اسلام کی روشنی اس سارے علاقے میں پھیل گئی اور ایک وقت وہ بھی آیا جب پورے ہندوستان پر اسلام کا پرچم لہرا رہا تھا۔ پھر اچانک ایک آندھی آئی اور ہندوستان کے مسلمانوں کا شیرازہ بکھرنے لگا۔ انگریز جو تجارت کرنے ہندوستان آئے تھے آہستہ آہستہ اپنی طاقت کے ذریعے مسلمان حکمرانوں پر چھا گئے۔ انگریزوں نے نہایت ہوشیاری اور چالاکی سے ہندوستانی حکومتوں کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک بہت بڑی جنگ چھڑ گئی۔ جسے ہماری قوم جنگ آزادی سے یاد کرتی ہے۔

ہندوستان کے عوام انگریزوں کے خلاف نہایت بے جگری سے لڑے لیکن اسلحہ کی کمی مسلمانوں کے آپس کے انتشار اور انگریزوں کے نئے نئے ہتھیاروں کی وجہ سے ہار گئے اور یوں جنگ آزادی ناکام ہوگئی۔ انگریزوں کے خلاف اس جنگ میں پانچ لاکھ ہندوستانی کام آئے اور آخری مسلمان حکمران بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کر کے رنگون بھیج دیا۔ ہندوستان مکمل طور پر انگریزوں کے قبضے میں آ گیا۔

اب یہاں سے مسلمانوں کی سو سال کی غلامی کا آغاز ہوتا ہے۔ اس تمام عرصہ میں مسلمانوں پر طرح طرح کے ظلم کیے گئے۔ ان سے زندگی میں آگے بڑھنے کا حق چھین لیا گیا۔ انگریزوں نے ایک اور چال چلی اور ہندوستان کے ہندوؤں کے ساتھ مل کر اپنے راج کو اور بھی مضبوط بنا لیا۔ ان حالات میں مسلمان سوچنے لگے اب انہیں اپنے پاؤں پر خود کھڑا ہونا پڑے گا۔ ایسے میں مسلمانوں میں ایک عظیم رہنما سامنے آئے تھے سر سید احمد خاں۔ انہوں نے مسلمانوں میں ایک نئی امنگ اور نیا جذبہ پیدا کیا اور مسلمان اپنی حالت بہتر بنانے کے لیے تیار ہو گئے۔

سر سید احمد خاں نے مسلمانوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ انگریزی تعلیم حاصل کریں تاکہ آگے بڑھا جا سکے۔ سر سید کی کوششیں کامیاب ہوئیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان الگ الگ رہنے کی بجائے ایک جگہ جمع ہو کر سوچنے لگے۔ پھر دوسرے مسلمان رہنما میدان میں آئے اور 1906ء میں مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو کر سب مسلمانوں نے آزادی کا نعرہ بلند کیا۔ ہندوؤں کی جماعت آل انڈیا کانگریس پہلے ہی سے قائم تھی اور دعوی کرتی تھی کہ وہ ہندوستان کے عوام کی واحد نمائندہ جماعت ہے مگر ہندو انگریزوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے لگے۔ تب مسلمان یہ بات سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ وہ کسی بھی صورت میں ہندوؤں کے ساتھ مل کر نہیں رہ سکتے اور انہیں اپنے لیے ایک الگ وطن کی ضرورت ہے۔

اسی بہادر اور عظیم قوم میں ایک عظیم رہنما اور شاعر پیدا ہوا علامہ اقبالؒ جنہوں نے مسلمانوں کے لیے الگ وطن کی تجویز پیش کی اور جسے انگریزوں اور ہندوؤں نے دیوانے کا خواب کہا۔ لیکن تاریخ نے ثابت کیا کہ یہ خواب سچا تھا۔ اس خواب کی تعبیر اس وقت عمل میں آئی۔ جب 23 (تیئیس) مارچ 1940ء کو مسلمانوں کے بہادر اور وفادار عظیم قائداعظم محمد علی جناح نے لاہور میں ٹھیک اس جگہ جہاں سے میں آپ سے مخاطب ہوں ایک بڑے جلسے سے خطاب کیا اس جلسے میں قرارداد پاکستان منظور ہوئی...... جی ہاں قرارداد پاکستان...... جس میں اس بات کا فیصلہ کر لیا گیا کہ مسلمان ایک الگ قوم ہیں اور وہ الگ رہ کر ہی ترقی کر سکتے ہیں۔

اس قرارداد میں یہ بات طے کی گئی کہ ہندوستان کے جن علاقوں میں مسلمان زیادہ آباد ہیں وہ پاکستان میں شامل کر دیے جائیں اور جن علاقوں میں ہندوؤں کی اکثریت ہے وہ علاقے ہندوستان میں رہنے دیے جائیں۔

اس قرارداد کی منظوری سے تاریخ نے ایک نیا سفر شروع کیا۔ جو آخر کار قیام پاکستان پر آ کر ختم ہوا اور مسلمانوں نے اپنے لیے ایک الگ اور آزاد وطن پاکستان حاصل کر لیا۔

مینار پاکستان نے اطمینان کا لمبا سانس لیا اور کہا ''تو بچو! میری کہانی اس بات کی یاد دلاتی ہے کہ ہم نے 23 مارچ کے دن پاکستان کی بنیاد رکھی تھی اور اس کی یاد ہمیشہ زندہ رکھنے کے لیے مجھے اس جگہ تعمیر کیا گیا تاکہ آنے والی نسلیں مجھے دیکھ کر اپنی تاریخ پر فخر محسوس کر سکیں۔ سر اونچا کر کے چل سکیں اور آزادی کے لیے اپنے پاک وطن کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دے سکیں۔

☆☆☆

کھوج لگائیے!

ذہانت آزمائیں اور 500 روپے کی کتابوں کا انعام پائیں۔

1412ء میں فرانس کے ایک گاؤں ڈومری (Domremy) میں ایک کسان کے گھر ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ کسان نہایت اکھڑ اور بدمزاج تھا۔ وہ بیٹی کی پیدائش پر سخت غصے میں تھا۔ اسے تو بیٹا چاہیے تھا جو بڑا ہو کر کھیتوں میں اس کا ہاتھ بٹاتا۔ اس نے پہلی مرتبہ انتہائی غصے اور ناپسندیدگی سے بچی کی طرف دیکھا تو اس کے تنے ہوئے چہرے پر واضح تبدیلی آ گئی۔ بچی کی آنکھوں میں اسے عجیب سی چمک نظر آئی۔ پہلے تو اس کا خیال تھا کہ وہ اس منحوس کا گلا دبا دے لیکن پھر نہ جانے اسے کیا ہوا کہ اس نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ یہی بچی بڑی ہو کر پوری دُنیا میں مشہور ہوئی۔ اس نے فرانس کی تاریخ پر گہرا اثر ڈالا اور فرانسیسیوں میں آزادی کی روح پیدا کی۔ عیسائی دُنیا پہلے اسے جادوگرنی سمجھتی تھی لیکن بعد میں اسے ''ولی'' قرار دے دیا۔ وہ 30 مئی 1431ء کا دن تھا۔ ''رواں'' بازار میں ہر طرف لوگ ہی لوگ نظر آ رہے تھے۔ ''انکوزیشن'' کے جلاد ایک انیس برس کی لڑکی کو گھسیٹتے ہوئے لے کر آ رہے تھے۔ لڑکی کو انہوں نے بازار کے وسط میں موجود ٹکٹکی سے باندھ دیا۔ کچھ ہی دیر بعد ایک پادری اونچے چبوترے پر کھڑا ہوا اور بلند آواز میں چلایا: ''لڑکی جادوگرنی ہے، اسی لیے اس کی روح کو بچانے کے لیے اسے جلانے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔'' لوگ حیران رہ گئے، جو لڑکی کل تک ان کے لیے دیوتا تھی، آج جادوگرنی بن گئی تھی! ٹکٹکی کے اردگرد لکڑیوں کو آگ لگا دی گئی۔ آگ آہستہ آہستہ لڑکی کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اس نے اپنا منہ آسمان کی طرف کر لیا اور کہنے لگی: ''میرا کام مکمل ہو گیا، شکریہ اے خدا۔'' اور آگ کے بھیانک شعلوں نے اسے بے رحمی سے نگل لیا۔ پیارے بچو! آپ کے لیے کافی تفصیلات دے دی گئی ہیں۔ آپ سوچ کر اس شخصیت کا نام بتائیں؟



پیارے بچو! فروری 2017ء کے کھوج لگائیے کا جواب ہے: آٹھ افراد

اس ماہ بے شمار ساتھیوں کے درست حل موصول ہوئے۔ ان میں سے پانچ ساتھیوں کو بذریعہ قرعہ اندازی انعامات دیئے جا رہے ہیں۔

1- جمشید علی، شیخوپورہ
2- منیب الحسن، اٹک
3- افرا فیصل، بہاول پور
4- کیڈٹ حمزہ باقر، سرائے عالم گیر
5- محمد سیف الرحمٰن، کاموکی



چڑیا کی ممتا

ثمرہ احمد سعید

ننھی چڑیا سنگتروں، چکوتروں، مالٹوں اور مسمیوں کے باغ میں کئی دنوں سے عمدہ قسم کا گھونسلا بنانے کے لیے لگاتار گھاس پھونس، نرم وکومل دھاگے اور تنکے اکٹھے کیے جا رہی تھی۔ نر چڑا بھی بُنت میں اس کی بھرپور مدد کر رہا تھا۔ دونوں تن دہی سے آنے والے دنوں کی پُرمسرت نوید و اُمید میں مگن اپنے گھونسلے کو سجانے سنوارنے میں لگے تھے۔ گھر کی تکمیل میں محنت لازمی جز تھا۔ ایک عزم دونوں کی رگ رگ میں سمایا ہوا تھا اور محنت میں جو عظمت ہے، اس کی تو شان ہی نرالی ہے۔ آخر کار ایک طویل جدوجہد کے بعد کلی نما، آنکھ سے مشابہہ ایک شاہکار گھونسلا مالٹے کے درخت پر مضبوط شاخوں کے ساتھ لٹکنے میں کام یاب ہو گیا۔ دونوں کو جو طمانیت نصیب ہوئی، وہی جانتے ہیں۔ اس ننھے منے جھولنے میں ایک خوبانی کے دانے جتنا سوراخ بھی درمیان میں جگہ بنا کر بڑی خوب صورتی سے آنے جانے اور بیٹھنے بٹھانے کے لیے رکھا گیا تھا اور دیکھنے میں یوں دکھائی دیتا جیسا کہ ایک روشن دان سا ہو۔ لمبوترے پیرامیشیم جیسے گھر میں اب دونوں بہت ہی خوش تھے اور نغمے بکھیرتے پھرتے تھے۔

موسمِ بہار تو اب آیا جب ننھی چڑیا نے تین بھورے، مٹیالے مٹیالے، ننھے ننھے سے انڈے دیئے اور گھونسلے میں رونق سی ہو گئی۔ فکر تھی تو صرف چالاک، مکار، عیار شیطان کوؤں کی جو ہر وقت انڈوں کی تاک میں رہتے تھے مگر لاکھ تلاش کرنے کے باوجود وہ ہرے بھرے گچھے نما پتوں کے بیچ شاہکار گھونسلے کو دیکھ ہی نہ پاتے۔ عیار و مکار کوے یہ ضرور دیکھتے کہ نر اور مادہ چڑیاں دونوں مالٹے کے گھنے پیڑ میں گھستے اور پھر باہر نکلتے ہیں مگر کیا کرتے ہیں، کہاں رہتے ہیں، ان کی رسائی نہ ہو سکی۔ اسی آنکھ مچولی میں ننھے منے انڈوں کے کھلنے کا وقت نزدیک آ گیا۔ نر و مادہ دونوں انڈوں پہ باری باری بیٹھتے رہے، بالآخر چند روز بعد سریلی سیٹیوں جیسی آوازیں سنائی دیں۔ دونوں کا خوشی سے بُرا حال ہو گیا کیوں کہ دونوں ماں اور باپ بن چکے تھے اور تینوں چڑیاں ہی پیدا ہوئی تھیں۔ ان کے رنگ، آواز، جسامت سب کچھ بہت پیارا تھا۔ سلائی نما پتلی پتلی چونچیں اور اسی طرح کی نرم و نازک ٹانگیں گویا یوں ہوں جیسے سرمے کی سلائی اور پنجے ننھے مگر مضبوط اور ساز بجاتی آواز چیں...... چیں...... چیں...... ننھی سی دُم اور بے پَر بدن۔ اب

چڑیا پر گھونسلا بنانے سے بھی بڑی ذمہ داری آن پڑی۔ چڑیا خود سوکھ کر تنکا ہونے لگی۔ ماں تا کا سمندر بھی اس کے چھوٹے سے دل میں جوش مارتا رہتا۔ وہ موسم کی سختی، گرمی سے بے نیاز تیزی سے اِدھر اُدھر رس بھرے پھولوں کی تلاش میں رہتی اور اپنی تیز پتلی خوب صورت چونچ پھولوں کے اندر ڈالتی اور رس بھر بھر کر جلدی سے اُڑتی، گھونسلے میں واپس لوٹتی، انہیں باری باری جوس پلاتی۔ کتنی عظیم شان ہے اللہ پاک کی جو اس کی مخلوق میں جگہ جگہ جلوہ گر دکھائی دیتی ہے۔ سبحان اللہ! پھولوں کے گرداگرد بھنوروں کی طرح منڈلاتی یہ چڑیا اور نر رس اکٹھے کرتے کرتے ہلکان ہوئے جاتے لیکن ماں تا کا جذبہ ہر مشکل پر غالب آ جاتا ہے۔ اب تو حفاظت کی بھی بہت ضرورت ہوئی کیوں کہ ننھی چڑیوں کی آواز کوؤں کی اس فوج کو ہر وقت متوجہ بھی کرتی اور تنگ بھی کرتی، ان کا من ہر وقت بچوں کو کھانے کا چاہتا مگر تقدیر کے آگے ان کی ایک نہ چلتی۔ رال ٹپکاتے مکار و عیار کوے بلند دیواروں پہ بیٹھے ہر وقت اپنے لالچ میں تڑپتے رہتے۔

یوں ہی دن چڑھتا، شام ڈھل جاتی۔ پندرہ بیس دن بعد ننھے بچوں پر خوب صورت رنگوں والے بھورے بھورے اور دودھیا پَر نکل آئے۔ ملائم ملائم پَروں والے یہ ننھے بچے ابھی ایک ماہ تک اپنے والدین ہی کے محتاج تھے۔ نہ اُڑنے کی سمجھ، نہ سکت اور نہ کھانا کھانے کا طریقہ سلیقہ اور نہ ہی پھولوں پھلوں اور کومل کلیوں کے اندر سے اپنی چونچ پیوست کر کے رس پینے کا ڈھنگ، ابھی تو ماں اور باپ دونوں نے انہیں رس پلا پلا کر خوب موٹا تازہ کرنا تھا تاکہ وہ اچھی خوراک کھا پی کر اچھی پرواز کرسکیں۔ چڑیا کی محنت اسی طرح جاری و ساری رہی۔ دن سے رات تک محنت، محنت اور بس محنت! دو بچے تو خوب صحت مند ہو گئے مگر ایک بچہ بہت وقت لینے لگا۔ تب نر چڑے نے ان دونوں کو اُڑانے کی ذمہ داری اُٹھا لی اور چڑیا نے آخری ننھے بچے کو پالنے کی۔ اب وہ اپنا تمام وقت پھولوں کے جھنڈ تلاش کرنے کے بعد ان کا رس اپنی چونچ میں بھر بھر کر لاتی، چاہے اسے کتنی دُور کا سفر طے کرنا پڑتا۔ اپنی بھوک پیاس سے بے نیاز وہ متواتر اسے رس پلانے پہ لگی رہی یا پھر ننھے ننھے کیڑے مکوڑے بھی اسے پکڑ کر کھلاتی تاکہ توانائی ملے۔ اب اگلے پندرہ دن بعد یہ بچہ بھی اس قابل ہوگیا کہ گھونسلے میں بنے روشن دان سے باہر نکل کر مالٹے کے درخت کی سرسبز شاخوں پر بیٹھتا اور اپنی ماں جو اس کے لیے رس لینے اُڑی پھرتی، مزے سے دیکھتا اور انتظار کرتا تاکہ رس پی کر فرحت حاصل کرے۔ چڑیا سوکھ سوکھ کر کانٹا ہوئی جا رہی تھی کیوں کہ اس بچے کے لیے اسے سب سے زیادہ وقت دے کر مشقت اُٹھانی پڑی تھی۔ بہرحال وہ اتنی تھکاوٹوں کے بعد بھی خوش تھی کہ اس کی محنت ٹھکانے لگی ہے، سب بچے اپنی اپنی منزلوں کے لیے اُڑ چکے ہیں اور اس کا فرض پورا ہوگیا ہے۔ چوں کہ آخری بچہ بھی اب اُڑنے لگا تھا اس لیے دونوں اب فارغ تھے لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ جو کہ اللہ پاک نے ننھے پرندوں میں بھی ماں تا کا جذبہ ڈال کر انہیں اشرف المخلوقات یعنی ہم انسانوں کے لیے اپنے عجائبات میں سے ایک حیرت انگیز مخلوق بنایا ہے۔ یہ ننھی مخلوق کس طرح اپنے گھونسلے کے لیے جدوجہد کرتی ہے۔ انڈے دیتی ہے، پھر ان کو کئی روز اپنے بدن کی حرارت پہنچاتی ہے اور چالاک مکار کوؤں کے حملوں سے بچاتی ہے اور پھر جب ننھے انڈوں میں سے بچے برآمد ہوتے ہیں تو کتنی ہمت، لگن، مسلسل محنت کے ساتھ ان کی پرورش کرتی ہے۔ اپنی چونچ سے ان کی چونچ میں رس ڈالتی، کیڑے مکوڑے کھلاتی اور پھر اُڑنا سکھاتی ہے۔ یہ تو صرف ایک چڑیا کی ماں تا ہے اور اللہ پاک جو ہم سے ستّر ماؤں سے زیادہ شفقت رکھتا ہے، آپ سوچیے! اس نے تمام مخلوق میں یہ ماں تا کس قدر تقسیم کی ہے، کتنی محبت بانٹی ہے اور یہ محبت کا جذبہ اپنی مخلوق میں کس قدر ڈال رکھا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اسی جذبے سے کائنات کا حسن و جمال ہے۔

☆☆☆

معلوماتِ عامہ

- ☆ کویت دُنیا کا واحد ملک ہے جہاں کوئی دریا نہیں۔
- ☆ سفید سونا پلاٹینم کو کہتے ہیں۔
- ☆ جنوبی فرانس میں 1890ء میں پتھر برسے تھے۔
- ☆ اسلامی دُنیا کا سب سے بڑا شہر قاہرہ ہے۔
- ☆ ڈولفن فش ہمیشہ ایک آنکھ کھول کر سوتی ہے۔
- ☆ شارک مچھلی کے 2400 دانت ہوتے ہیں۔
- ☆ دُنیا میں سب سے پہلے کاشت ہونے والا پھل کیلا ہے۔
- ☆ دُنیا میں سب سے قدیم بادشاہت جاپان میں ہے۔

(عدن سجاد، جھنگ)



نورالدین زنگی

غلام حسین میمن

عشاء کی نماز، نوافل، ذکر و اذکار، نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنے اور کچھ دیر نیند کے بعد اسے دوبارہ تہجد کے لیے اُٹھنا تھا۔ روزانہ کے معمول کی طرح وہ آج بھی تہجد سے کچھ دیر پہلے سونے کے لیے لیٹا تو اسے ایک خواب نے پریشان کردیا۔ پُرسکون چہرہ گھبراہٹ کا شکار تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی لڑیاں رواں تھیں۔ وہ بار بار استغفار پڑھتا جاتا اور پھر غم و اندوہ کی کیفیت میں کہتا جاتا۔ ''میرے آقاؐ یہ نہیں ہوسکتا۔''

اس نے خواب میں دیکھا تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ اس کے سامنے موجود ہیں اور دو افراد کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمارہے ہیں: ''یہ آدمی مجھے ستارہے ہیں، ان کے فتنے کا خاتمہ کرو۔''

سرکارِ دو عالمؐ کا یہ حکم اس کے لیے کسی سعادت سے کم نہیں تھا۔ وہ جہاں اس خواب سے بے چین اور پریشان تھا، اتنا ہی وہ اندر سے بے حد مسرور تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے خواب میں تشریف لاکر اسے کسی کام کے قابل سمجھا۔ وہ اس وقت دمشق میں تھا۔ اس نے فوراً سفر کی تیاری کی اور چند ساتھیوں کے ہمراہ نکل پڑا۔ یہ 1162ء کا سال تھا۔

عالمِ اسلام کا یہ دمکتا ستارہ کوئی اور نہیں نورالدین زنگی تھا۔ عماد الدین زنگی بھی مجاہد اسلام تھے۔ ان کی شہادت کے بعد نورالدین زنگی نے مملکت کا انتظام سنبھالا۔ اس وقت اس کی عمر 30 سال تھی۔

خواب کے بعد وہ تیزی سے دمشق سے مدینے پہنچا۔ اس کی رفتار حیران کن تھی۔ مدینے پہنچ کر اس نے شہر میں داخل ہونے والے تمام راستے بند کروا دیئے۔ اس نے اس کے ساتھ ہی اعلان کرا دیا کہ شہر کے تمام باشندے ہمارے ساتھ کھانا کھائیں۔ کھانے کے لیے ہر شہری کو لازمی دعوت میں پہنچنے کا حکم تھا۔ دعوت شروع ہوئی۔ نورالدین زنگی ہر شہری کو خوش آمدید کہتا اور دستر خوان پر جانے کا اشارہ کرتا۔ جب شہر کا آخری فرد بھی آگیا، جس کی تصدیق حاکم نے کی تو نورالدین زنگی کے چہرے پر فکر کے آثار نمودار ہوئے۔ وہ سوچنے لگا کہ میرے نبیؐ نے مجھے جو چہرے دکھائے تھے، وہ یہاں کیوں نہیں۔ کسی خیال کے آتے ہی اس نے مدینے کے حاکم سے پوچھا: ''کوئی رہ تو نہیں گیا؟'' حاکم نے جواب دیا: ''نہیں ایسا تو کوئی نہیں، البتہ دو مغربی بزرگ ہیں جو ہر وقت عبادت الٰہی میں مصروف رہتے ہیں۔ ان کا کسی سے میل جول نہیں۔ اگر وقت بچتا ہے تو وہ جنت البقیع میں لوگوں کو پانی پلاتے ہیں۔''

نورالدین زنگی نے حکم دیا کہ انہیں بھی دعوت میں بلایا جائے۔ ہم ان سے ملنا چاہتے ہیں۔ وہ دونوں جیسے ہی حاضر ہوئے تو نورالدین زنگی کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ نفرت اور کرب کے آثار نمودار ہوئے۔ اس نے پہلی ہی نظر میں اندازہ لگا لیا تھا کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں میرے نبیؐ نے حکم دیا تھا۔ وہ دونوں ایک عرصے سے مدینے میں تھے اور روضۂ رسولؐ کے قریب ایک مکان میں رہتے تھے۔

نورالدین زنگی نے دونوں کو اپنے ماتحتوں کی نگرانی میں دیا اور خود اپنے افسروں کے ہمراہ ان کے مکان پر پہنچ گئے۔ سادے سے مکان میں چند ضروری سامان تھا۔ انہیں وہاں کوئی ایسی چیز نظر نہ

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



آئی جو قابلِ اعتراض اور قابلِ گرفت ہو، مگر نبیؐ کا فرمان اور پریشانی کا اظہار اسے تلاش لینے پر اکسا رہی تھی۔ چلتے چلتے انہیں ایک چٹائی کے نیچے فرش ہلتا ہوا محسوس ہوا۔ انہیں تجسس ہوا۔ چٹائی کو الٹا کیا گیا تو ایک چوڑی سی سل (پتھر کا لمبا چوڑا ٹکڑا جو عمارتوں میں لگایا جاتا ہے) نظر آئی، جو فرش سے مکمل پیوست تھا۔ انہوں نے اسے ہٹانے کا حکم دیا تو حیرت کا ایک پہاڑ ان پر ٹوٹ پڑا۔ اس کے نیچے ایک سرنگ (زمین دوز راستہ) تھی، جو نبی کریم ﷺ کے روضے تک جاتی تھی۔

غیض وغضب کا ایک رنگ اس کے چہرے پر آیا۔ وہ دوبارہ اپنے مقام تک آیا اور حکم دیا کہ دونوں کو زنجیروں میں جکڑ کر پیش کیا جائے۔ سامنے آنے پر اس نے ان سے سختی سے پوچھا کہ تم لوگ کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟ وہ پہلے ہی گھبرائے ہوئے تھے، اس لیے سچ بولنے میں ہی خیریت جانی، کہنے لگے: ''ہم عیسائی ہیں۔ ہمیں آپ کے پیغمبر کی لاش چرا کر لے جانے کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ یہ ہمارے لیے نیکی کا کام تھا، لیکن افسوس کہ جب ہم قریب پہنچ چکے تھے، گرفتار کر لیے گئے۔''

نور الدین زنگی کے غیض وغضب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اس نے ان دونوں کی گردنوں کو اسی وقت جسم سے علیحدہ کرا دیا اور حکم دیا کہ آئندہ کسی کو ایسی جسارت کرنے سے روکنے کے لیے روضۂ رسولؐ کے گرد گہری خندق کھود کر سیسہ پگھلا کر ڈال دیا جائے۔ حکم پر عمل ہوا۔ یہ خندق آج بھی روضۂ رسولؐ کے گرد موجود ہے۔

سلطان نور الدین زنگی اپنی اس خدمت پر بہت خوش تھے اور ان کی آنکھوں سے آنسو تھے کہ تھمتے ہی نہ تھے۔

نور الدین زنگی کا دورِ حکومت 28 سال پر پھیلا ہوا ہے۔ یہ تمام عرصہ زیادہ تر عیسائی افواج سے مقابلے میں گزرا، جنہیں صلیبی طاقت کہا جاتا ہے۔ اس وقت بیت المقدس عیسائیوں کے قبضے میں تھا۔ بیت المقدس مسلمانوں کا قبلۂ اوّل تھا جسے حاصل کرنے کے لیے مسلمان ایک عرصے سے عیسائیوں سے لڑ رہے تھے۔

بیت المقدس پر اسلامی پرچم لہرانا نہ صرف اس کا بلکہ اس کے ساتھیوں کا شیر کوہ اور صلاح الدین ایوبی کا بھی خواب تھا مگر عیسائی افواج ان کے راستے کا کانٹا بنی ہوئی تھیں۔ 1168ء میں مصر پر عیسائیوں کے حملے کی خبر سن کر اس نے شیر کوہ کو فوج دے کر بھیجا۔

اس وقت تک عیسائی افواج مصر کے ہزاروں مسلمانوں کو بے دردی سے قتل کر چکی تھی۔ ان پر شیر کوہ کی آمد کا خوف ایسا ہوا کہ وہ شیر کوہ کے آنے سے پہلے ہی فرار ہو چکے تھے۔ اسی دوران شیر کوہ کا انتقال ہو گیا۔ اب مصر کی نگرانی کا فریضہ سپہ سالار سلطان صلاح الدین ایوبی کے سپرد ہوا۔

سلطان نور الدین زنگی کا سب سے بڑا خواب تھا کہ کسی طرح مسجدِ اقصیٰ میں اسلامی خطبہ دیا جائے۔ اس کے لیے انہوں نے ایک خصوصی منبر بھی تیار کرایا تھا۔ انہوں نے فوج کو حکم دیا کہ یہ وقت عیسائی طاقتوں سے مسجدِ اقصیٰ کو آزاد کرانے کا ہے۔ وہ فوج کے ہمراہ بیت المقدس کی جانب چلے، مگر راستے میں ہی مرض الموت کے سبب وہ زندگی کی بازی ہار گئے۔ 1174ء میں انتقال کے وقت ان کی عمر 30 سال تھی۔ انہیں دمشق کے مدرسہ نوریہ میں دفن کیا گیا۔ ان کے بعد ادھورا کام اور خواب ان کے لائق ترین سپہ سالار سلطان صلاح الدین ایوبی نے پورا کر دکھایا۔ بیت المقدس کی فتح کا خواب شرمندہ تعبیر ہوا اور نور الدین زنگی کا تیار کرایا ہوا خاص منبر وہاں رکھا گیا۔

وہ ایک شفیق حکمران تھے، جنہوں نے عوام پر غیر ضروری محاصل (ٹیکس) ختم کرا دیئے تھے۔ اس سے عوام کو بے حد فائدہ ہوا۔ ان کے دور میں ڈاک کا نظام بے حد برق رفتار ہوا۔ ہنگامی طور پر یہ کام کبوتروں سے لیا جاتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ نور الدین زنگی پہلے مسلمان حکمران تھے جنہوں نے ڈاک کی ترسیل کے لیے کبوتروں کو وسیع پیمانے پر باقاعدہ نظام کے تحت استعمال کیا۔ اس کے لیے کبوتروں کو خصوصی تربیت دی جاتی تھی۔

ان کی اعلیٰ ظرفی کا اندازہ اس واقعے سے لگایا جا سکتا ہے کہ یروشلم (موجودہ بیت المقدس) کے بادشاہ بالڈون کا انتقال ہوا تو انہیں مشورہ دیا گیا کہ یروشلم پر فوری حملہ کر دیا جائے۔ ان کا جواب تھا کہ ہم کو ان لوگوں پر رحم کرنا چاہیے۔ ان کے لیے بالڈون ایک اچھا بادشاہ تھا۔ میں اسے مناسب نہیں سمجھتا کہ ایسے وقت میں جب وہ غم کی کیفیت میں ہوں، ان پر حملہ کر دیا جائے۔

وہ سرکاری خزانہ سے تنخواہ نہیں لیتے تھے، بلکہ جنگوں میں ملنے والے مالِ غنیمت سے جائیداد خرید کر اس کی آمدن پر گزارہ کرتے تھے۔

☆☆☆



نیچے والا ہاتھ

حسن جاوید گوریجہ، اسلام آباد

زید اپنی کلاس کے اچھے لڑکوں میں شمار ہوتا تھا۔ اس کا اخلاق، محنت کی عادت، ادب، لحاظ...... ہر چیز مثالی تھی۔ بس اس کی ایک عادت تھی جو بہت قابلِ قدر نہ تھی اور وہ تھی دوسروں سے چیزیں مانگنے کی۔ گو کہ زید کو کسی طرح کی مالی تنگی کا سامنا تھا اور نہ ہی وہ بہت سخت والدین کی اولاد تھا، پھر بھی وہ اپنے دوستوں سے چیزیں مانگتا رہتا تھا۔

کبھی کسی سے پنسل مانگ کر استعمال کر لیتا تو کبھی کسی کی کاپی مانگنے لگتا۔ کسی کو کوئی چیز کھاتا دیکھتا تو فوراً اس کے پاس مانگنے پہنچ جاتا، کبھی کسی سے کرکٹ کی گیند مانگ لاتا۔ مانگنے کی اس کی یہ عادت اس کی شخصیت کو گہنا رہی تھی۔

ایک دن اسلامیات کی کلاس ہو رہی تھی اور سر حسن ہمارے پیارے نبی ﷺ کی شخصیت اور خصائل کے بارے میں بتا رہے تھے۔ انہوں نے ایک ایسا واقعہ سنایا جو باقی کلاس نے تو سن لیا لیکن وہ واقعہ زید کے دل میں تو جیسے نقش ہو گیا۔ سر حسن بتا رہے تھے:

''ہمارے پیارے نبی ﷺ کے ایک صحابی تھے جن کا نام تھا حکیم بن حزامؓ۔ وہ ایک دفعہ ہمارے پیارے نبی ﷺ کے پاس گئے اور ان سے کچھ مانگا جو انہوں نے دے دیا۔ وہ دوبارہ گئے اور کچھ مانگا تو انہوں نے دوبارہ دے دیا۔ وہ تیسری بار ان کے پاس گئے اور کچھ مانگا تو آپ ﷺ نے ان کو دے دیا اور ساتھ فرمایا:

''اے حکیم! یہ مال سبز و شیریں (یعنی انسان کو بہت پسند) ہے۔ جو شخص اس مال کو سخاوت نفس کے ساتھ لیتا ہے، اس کو برکت عطا ہوتی ہے اور جو کوئی اسے لالچ کے ساتھ لیتا ہے، اس کو برکت نہیں ملتی۔ ایسا آدمی اس شخص کی طرح ہے جو کھاتا ہے مگر اس کا پیٹ نہیں بھرتا۔ مزید یہ کہ اوپر والا ہاتھ (یعنی دینے والا) نیچے والے ہاتھ (یعنی لینے والے) سے بہتر ہے۔ یہ سن کر حکیم بن حزامؓ نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے! میں آپ ﷺ کے بعد کسی سے کچھ نہیں مانگوں گا یہاں تک کہ اس دُنیا سے چلا جاؤں۔'' (صحیح بخاری، کتاب الزکوۃ)

پیارے بچو! ہمیں بھی چاہیے کہ کسی سے کچھ نہ مانگیں۔ جو ضرورت ہو، وہ اپنے والدین سے طلب کریں اور اپنے دوستوں کی چیزوں پر نظر نہ رکھیں۔

زید یہ سب سن رہا تھا اور اسے لگا کہ گویا یہ سب کچھ براہِ راست اسی کو کہا جا رہا ہے۔ اس نے پکا ارادہ کر لیا کہ آئندہ کسی سے کچھ نہیں مانگے گا تا کہ وہ بھی نچلے ہاتھ والا بننے سے بچ جائے۔

پہلا انعام: 195 روپے کی کتب

نماز کی برکت

سمعیہ افتخار، شیخوپورہ

''میں تمہاری کوئی دلیل اور بہانہ نہیں سنوں گا۔ تم نے وقت ضائع کرنا اپنا مشغلہ بنایا ہوا ہے۔ روزانہ دفتر دیر سے آتے ہو، اب میں تمہیں اور برداشت نہیں کر سکتا۔'' خالد سر جھکائے خاموش اپنے باس کی باتیں سن رہا تھا۔ آخر کار وہ بول پڑا۔

''سر، پلیز! مجھے صرف ایک موقع اور دے دیں، پلیز......!''

خالد کا یہ روزانہ کا کام تھا۔ وہ روزانہ رات گئے اپنے آوارہ دوستوں کے ساتھ تاش کھیلتا رہتا۔ رات دیر سے سوتا اور صبح دیر سے اُٹھتا۔ گھر آتے ہی اس نے اپنے نوکر شرفو کو آواز دی۔ ''شرفو چائے لے آؤ!'' شرفو تھوڑی دیر بعد چائے لے آیا۔ ''اتنی دیر سے کہاں تھے تم؟'' ''وہ...... جی...... میں نماز پڑھ رہا تھا۔'' شرفو نے ہکلا کر کہا۔

شرفو بہت نیک آدمی تھا۔ وہ پانچ وقت کا نمازی تھا اور صبح سویرے اُٹھ جاتا تھا۔ وہ بھی خالد کی اس عادت سے بہت پریشان تھا۔ اس رات بھی حسبِ معمول وہ رات تقریباً 12 بجے اپنے کمرے میں داخل ہوا تو شرفو دودھ کا گلاس اس کے لیے لے آیا۔ اس وقت خالد کا موڈ اچھا تھا، اس لیے خالد نے کہا۔ ''کیا بات ہے؟ شرفو! تم مجھ سے کچھ کہنا چاہ رہے ہو۔'' شرفو کو پتا تھا کہ خالد اپنی عادت نہیں چھوڑ سکتا، اس لیے اس نے خالد سے کہا کہ صاحب جی آپ کو سمجھانے کا میرا حق تو نہیں بنتا لیکن میری ایک

بات پر ضرور عمل کیجئے گا۔ خالد نے کہا۔ ''بولیے بابا جی!'' ''آپ ہو سکے تو پانچ وقت کی نماز پڑھ لیا کرو۔''

''اچھا! ٹھیک ہے، مجھے صبح جلدی اُٹھا دیجئے گا۔''

صبح سویرے شرفو نے خالد کو جگا دیا، فجر کی نماز پڑھنے کو کہا۔ آج آفس میں تو خالد جلدی پہنچ گیا تھا لیکن اس کو بہت تھکاوٹ ہو رہی تھی کیوں کہ اس کی نیند پوری نہیں ہوئی تھی۔ اس رات خالد نے اپنے آوارہ دوستوں کو گھر بھیج دیا اور کہا، مجھے عشاء کی نماز ادا کرنی ہے۔ دوست حیران و پریشان اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ اب تو خالد پانچ وقت کا نمازی بن گیا تھا اور اس نے وقت کی پابندی بھی سیکھ لی تھی۔ آج خالد آفس گیا تو ایک خوش خبری اس کی منتظر تھی۔ باس نے کہا۔ ''مبارک ہو! آپ نے ترقی کر لی ہے۔ اب آپ اس کمپنی کے منیجر بن چکے ہیں۔'' خالد کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ گھر آ کر اس نے شرفو کو یہ خوش خبری سنائی، وہ بھی بہت خوش ہوا۔

آج خالد جان گیا تھا۔ اللہ کی عبادت میں ایک سکون ہے۔ نہ صرف سکون بلکہ نظامِ زندگی ایک اچھے طریقے سے گزرتی ہے۔ انسان حقوق اللہ کے ساتھ دُنیاوی کاموں میں بھی ترقی کرتا ہے۔ خالد نماز کی برکت اور اہمیت جان گیا تھا۔

دوسرا انعام: 175 روپے کی کتب

اصل خوب صورتی

خنساء اقبال، جہانیاں

''فہد......! ادھر دیکھ نیا کارٹون آیا ہے۔'' علی نے کلاس میں اپنے ساتھ بیٹھے فہد کو کہنی مار کر اگلے بینچ پر بیٹھے لڑکے کی طرف اشارہ کیا۔

''ہی...... ہی...... واقعی......! لگتا ہے مارکیٹ میں نیا نیا آیا ہے۔'' اسے دیکھتے ہی فہد کی بتیسی نکل آئی۔

''خاموش......'' کلاس میں بھنبھنانے کی آوازیں کچھ زیادہ ہی بلند ہوئیں تو پروفیسر فہیم تیز آواز میں بولے۔ ان کی آواز پر کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

''فرسٹ ائیر......! آج آپ کی کلاس میں ایک اور ساتھی کا اضافہ ہو گیا ہے۔ یاسر بیٹا......! ادھر آئیں۔'' پروفیسر فہیم نے نئے آنے والے لڑکے کو اپنے پاس بلایا۔

''جی بیٹا......! کیسا لگا آپ کو یہ کالج...... اور اپنے نئے ساتھی......؟'' پروفیسر اپنے ساتھ کھڑے فرقان کی کمر تھپکاتے ہوئے بولے۔

''بہت پسند آیا سر...... نئے ساتھی تو بہت اچھے لگے۔'' فرقان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ اس کا لہجہ بہت ہی شیریں تھا۔

''جی تو فرسٹ ائیر......! اب آپ بتائیں آپ کو کیسا لگا اپنا نیا ساتھی......؟'' پروفیسر صاحب نے سوالیہ نظروں سے تمام طلبہ کی طرف دیکھا۔

''بہت اچھا......!!'' سب نے ایک ساتھ جواب دیا سوائے علی اور فہد کے۔'' مجھے تو کچھ ماؤس لگا۔ فہد نے اپنے قریب ہی بیٹھے علی کے کان میں سرگوشی کی۔ ''اور مجھے سوڈانی۔'' علی ہنستے ہوئے بولا۔

فرقان کو اس کالج میں آئے آج پہلا دن تھا۔ سعد اور فہد اس کی سیاہ رنگت اور موٹے موٹے نین نقش کا بھرپور مذاق اُڑا رہے تھے۔ یوں تو کلاس میں اور بھی سانولی رنگت کے لڑکے موجود تھے، لیکن قدرتاً فرقان کا رنگ کچھ زیادہ ہی کالا تھا۔ بڑے بڑے موٹے ہونٹ اور ناک کی وجہ سے فہد اور علی کبھی اسے کارٹون کہتے...... کبھی سوڈانی تو کبھی افریقی۔ فرقان اپنے بارے میں فہد اور علی کی رائے جان چکا تھا لیکن وہ اچھے اخلاق کا مالک تھا۔

ایک روز فہد اور علی نے فرقان کو خوب تنگ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ فرقان آہستہ رفتار سے بائیک چلاتے ہوئے اپنے گھر کی جانب رواں دواں تھا کہ فہد اور علی بھی اپنے منصوبے کے مطابق اسی راستے پر آ گئے جس راستے پر فرقان جا رہا تھا۔ دونوں اس کا مذاق اُڑاتے ہوئے اسے الٹے سیدھے ناموں سے پکارتے ہوئے اس کے ساتھ ساتھ چلے جا رہے تھے۔ فہد اس کے دائیں جانب آ گیا اور علی بائیں جانب۔ فرقان دونوں کے درمیان کڑوی کسیلی سنتے ہوئے بغیر جواب دیئے خاموشی سے بائیک چلاتا رہا۔

اچانک راستے میں موڑ کاٹتے ہوئے بڑا ٹرک سامنے آ گیا...... فرقان بائیک کو تیزی سے چلاتا ہوا دونوں کے درمیان سے نکل کر دائیں جانب ہو گیا جب کہ سامنے سے آنے والا ٹرک بائیں جانب تھا۔ بدقسمتی سے فہد اور علی بھی بائیں جانب تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ دائیں جانب ہوتے پیچھے سے آنے والی گاڑی

دائیں جانب اپنا راستہ بنا چکی تھی اور وہ دونوں اپنے سامنے سے آنے والے ٹرک کی زد میں آ گئے۔

دونوں کے ہوش میں آنے تک فرقان وہیں اسپتال میں موجود تھا۔ فہد اور علی کے والدین فرقان کے شکرگزار تھے جس نے ان کی آنکھوں کے چراغوں کو بجھنے سے بچا لیا تھا۔

''آج اگر یہ نوجوان آپ دونوں کو بروقت نہ لاتا تو آپ دونوں کی جان کو شدید خطرہ لاحق تھا اور پھر ہم آپ دونوں کو بچانے کے لیے کچھ نہ کر پاتے۔

ڈاکٹر صاحب فہد اور علی کو اپنے قریب کھڑے فرقان کی طرف اشارہ کر کے بتا رہے تھے جب کہ فہد اور علی شرم سے پانی پانی ہو رہے تھے۔ دونوں شرمندگی کی وجہ سے ایک دوسرے سے نظریں بھی نہیں ملا پا رہے تھے۔ جسے وہ لوگ بدصورت سمجھ کر اس کا مذاق بنا رہے تھے، اس کی اصل خوب صورتی آج ان دونوں کے سامنے آ چکی تھی۔

تیسرا انعام: 125 روپے کی کتب

چھوٹی لڑکی بڑا کام

محمد عبداللہ ثاقب میر، پشاور

رات خاصی خنک تھی۔ مکے کے گلی کوچوں میں کچھ زیادہ ہی سناٹا تھا۔ مکے کے تمام گھروں میں بچے آرام سے میٹھی نیند سوئے ہوئے تھے، لیکن اسی شہر میں ایک گھر ایسا بھی تھا جہاں ایک بارہ سالہ بچی بڑی خاموشی سے ایک ناشتے دان میں کھانے کا سامان رکھنے میں مشغول تھی۔ یہ کھانا تیار بھی اسی بچی نے کیا تھا۔ یہ کام وہ بڑی پھرتی اور رازداری سے انجام دے رہی تھی۔ دبے پاؤں چلتے چلتے وہ ڈر کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگتی کہ ایسا نہ ہو، کسی کو پتا چل جائے۔ گھر میں سبھی لوگ تو موجود تھے۔ بھائی، بہن اور بوڑھے نابینا دادا جان بھی، جو ذرا سی آہٹ پر چونک کر پوچھنے لگتے تھے۔ ''کون ہے؟ کیا ہے؟'' ایسے میں کسی بات کو چھپانا کتنا مشکل ہو جاتا ہے، وہ سوچنے لگی۔ ''لیکن خیر، میں اس راز کو اس وقت تک اپنے سینے میں چھپا کر رکھوں گی جب تک اس کو چھپانا ضروری ہوگا۔''

یہ بارہ سالہ بچی اسماء بنت ابوبکرؓ تھی جس کو قدرت نے اس روز تاریخ کے ایک عظیم اور اہم راز میں شریک کیا تھا۔

وہ اپنے کام میں مصروف تھی اور اس کا دل خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا۔ وہ اپنی قسمت پر ناز کر رہی تھی کہ آج سے اس شخص کی خدمت کی سعادت ملی ہے جو سب سے معزز اور سب سے نیک انسان ہے۔ جس کو دوست تو دوست، دشمن بھی صادق اور امین کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ وہ یہ کام اپنے بابا کے آقا اور پیارے دوست، خدا کے سچے اور آخری نبی حضرت محمدؐ کی خاطر انجام دے رہی تھی۔

محمد مصطفیٰؐ کا نام اسماء کے نزدیک بہت معزز اور پیارا تھا۔ اس کا نام لیتے وقت اسماء کے بابا حضرت ابوبکر صدیقؓ ہمیشہ کہتے تھے: ''میری اور میرے ماں باپ کی جان آپؐ پر قربان۔''

آج بابا ہی نے تو اس کو نہایت رازداری سے بتایا تھا کہ اسماء! تم کو یہ معلوم ہے کہ مکے کے کافر میرے آقاؐ کے قتل پر آمادہ ہیں، اس لیے آج آدھی رات کے وقت ہمارے آقاؐ خدا کے حکم سے اپنا گھر اور وطن چھوڑ رہے ہیں۔ آپؐ مکے سے نکل کر غارِ ثور میں رہیں گے۔ پھر کسی مناسب موقع پر مدینے چلے جائیں گے۔ میں بھی اپنے آقاؐ کے ہمراہ جا رہا ہوں۔ پھر بابا نے پوچھا تھا: ''بیٹی! کیا تم اپنے پیارے نبیؐ کی خدمت کرنا چاہتی ہو۔'' اسماء نے جلدی سے جواب دیا۔ ''کیوں نہیں، میں ضرور کروں گی۔''

تب اس کے بابا نے کہا۔ ''تو پھر اس وقت تم خاموشی سے توشہ دان میں کھانا رکھ کر باندھ دو اور جب تک ہم لوگ غار میں رہیں، تم ہر روز شام کو آ کر تازہ کھانا پہنچاتی رہنا لیکن وعدہ کرو کہ یہ بات کسی پر ظاہر نہ کرو گی۔ اسماء! یاد رکھنا مکے کے کافر شکاریوں کی طرح میرے اور تمہارے آقا، اللہ کے پیارے نبیؐ کو تلاش کریں گے۔ اس لیے یہ کام بہت احتیاط اور ہوشیاری سے کرنا ہوگا۔''

اسماء نے وعدہ کر لیا اور پوری رازداری سے کھانا تیار کر کے توشہ دان میں رکھا۔ اس کو باندھنے کے لیے رسّی کی ضرورت تھی مگر اس وقت رسّی کہاں تلاش کی جائے؟ اسماء نے سوچا، اور پھر دوسرے ہی لمحے ایک ترکیب اس کی سمجھ میں آ گئی۔ جلدی سے اس نے اپنے کرتے کی پٹی کھولی، اس کو پھاڑ کر دو حصے کیے، اس سے توشہ دان کو اچھی طرح باندھا اور غار میں پہنچا دیا۔

تمام رات مکے کے کافر خدا کے آخری اور سچے نبیؐ کو تلاش کرتے رہے، یہاں تک کہ دوسرے دن انہوں نے شہر کی ناکہ بندی کر دی۔ ان کے کھوجی اور جاسوس ہر آنے جانے والے پر نظر رکھ رہے تھے۔

ننھی اسماء کی بہادری اور ہوشیاری ہی تو تھی کہ تین دن تک

وہ اسی طرح کھانا تیار کرتی، شام کے دھندلکے میں دشمنوں کی نظروں سے بچتی بچاتی، غار ثور پر جا کر وہ کھانا اس پیارے اور عظیم انسان کی خدمت میں پیش کرتی رہی جس کے نام کا کلمہ وہ ہر صبح اُٹھ کر پڑھتی تھی۔

ننھی اسماء کو تو صرف یہ خوشی تھی کہ اس کے بابا نے جو مقدس فرض اس کے ذمے کیا تھا، اس کو اس نے پوری رازداری اور ذمہ داری سے پورا کیا لیکن شاید اسے یہ خبر نہ تھی کہ اس نے تاریخ میں اپنا نام سنہری حروف میں لکھوا لیا ہے۔

چوتھا انعام: 115 روپے کی کتب

دوبارہ سے دوستی

شازیہ ہاشم میواتی، قصور

عروہ نے ایک غریب گھرانے میں آنکھ کھولی۔ ہوش کی زندگی میں آتے ہی اس نے کسم پرسی اور مفلسی کا سایہ اپنے گھر پر دیکھا مگر وہ بہت صابر اور شاکر تھی۔ باپ تو بچپن ہی میں فوت ہو گیا۔ ایک ماں تھی جو اس کے لیے اللہ کے بعد سہارا تھی۔ اس کی ماں نے اسے ایک سرکاری اسکول میں داخل کروا دیا۔ پہلے دن وہ بہت ہراساں اور خوف زدہ تھی مگر وہاں پر اسے اپنے جیسے بچے نظر آئے۔ جلد ہی وہ سنبھل گئی۔ وہ بہت ذہین تھی۔ اس کی ماں کی خواہش تھی کہ میں اپنی بیٹی کو کسی اچھے پرائیویٹ اسکول میں داخل کرواؤں مگر اس کے پاس اتنی گنجائش نہ تھی کیوں کہ وہ لوگوں کے گھروں میں کام کرتی تھی۔ بہرحال عروہ پنجم میں پہنچ گئی۔ اس نے دن رات ایک کر کے بورڈ کے امتحان کی تیاری کی اور بورڈ میں پہلی پوزیشن لی۔ اس کی ماں کا سر فخر سے بلند ہو گیا کیوں کہ اس کی بیٹی کو میڈل بھی ملا اور وظیفہ بھی۔ اس کی ماں نے اسے اچھے اور مہنگے انگلش میڈیم اسکول میں داخل کروا دیا اور وہاں پر اسے پوزیشن کی بناء پر تعریف وستائش ملی اور فیس بھی معاف کر دی گئی۔ اس کی کلاس میں ساری لڑکیاں امیر گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں، بس وہ ہی غریب تھی۔ اس لیے کوئی اس سے دوستی نہیں کرتا تھا۔ سب اس کا مذاق اُڑاتیں اور کہتیں کہ اس کی ماں گھروں میں کام کرتی ہے۔ ان مذاق اُڑانے والوں میں منال سب سے آگے تھی۔ ان کا تعلیمی سفر جاری رہا۔ میٹرک میں بھی عروہ نے بورڈ میں اوّل پوزیشن لی اور ایف ایس سی میں داخلہ لیا جب کہ منال کی تیسری پوزیشن آئی اور وہ حسد میں مبتلا ہو گئی۔ اب صرف وہ ہی عروہ کا مذاق اُڑاتی تھی۔ اس لیے عروہ کے کالج میں ایڈمیشن لیا۔ حسبِ سابق ایف ایس سی میں شاندار کامیابی کے بعد میڈیکل میں اسے ایڈمیشن مل گیا جب کہ منال کو نہ مل سکا۔ اب وہ دونوں جدا جدا ہو گئیں۔ منال بی ایس کرنے لگ گئی جب کہ عروہ میڈیکل میں سرتوڑ محنت کے ساتھ ساتھ اپنی ماں کا مکمل ہاتھ بٹاتی تھی۔ بہرحال عروہ کی ماں کا خواب پورا ہو گیا جب اس کی بیٹی کامیاب ڈاکٹر کے روپ میں اس کے سامنے آئی اور اسے ایک بڑے اسپتال میں جاب مل گئی اور اس کی ماں نے بھی نوکری چھوڑ دی۔ اب وہ شہر کی مشہور ڈاکٹر تھی۔ ہر کوئی اس کے آگے پیچھے پھرتا تھا۔ اس کے پاس ایک چھوٹا سا خوب صورت گھر تھا اور کامیاب وخوش گوار زندگی۔

ایک دن حسبِ معمول جب وہ اپنی ڈیوٹی پر تھی تو اسے بتایا گیا کہ ایک مریضہ ہے جو کسی سے سنبھالی نہیں جا رہی۔ جب وہ وہاں پر گئی تو وہاں کوئی اور نہیں بلکہ وہی منال تھی جو اس کا مذاق اُڑاتی تھی۔ اس کی حالت دیکھ کر عروہ کی آنکھوں میں نمی آ گئی۔ عروہ نے اس سے پوچھا کہ تیری یہ حالت کیسے ہو گئی۔ اس نے کہا کہ میرے والدین ایک کار ایکسیڈنٹ میں اللہ کو پیارے ہو گئے اور میں اکیلی رہ گئی۔ مجھے ڈپریشن کے دورے پڑنے لگے۔ ایسی حالت میں میرے رشتہ داروں نے میری جائیداد پر قبضہ کر لیا اور میں شاندار کوٹھی سے باہر نکل کر آ گئی، جہاں میں ہوش وخرد سے بیگانہ ہو گئی۔ جب ہوش میں آئی تو اپنے آپ کو دارالامان میں پایا۔ پھر میں نفسیاتی مریضہ بن گئی۔ تجھے یاد کرتی کہ تو مجھے مل جائے تو میں معافی مانگ لوں تاکہ مجھے سکون مل جائے۔ شکر ہے آج تو مجھے مل گئی۔ مجھے معاف کر دو عروہ! عروہ یہ سن کر رونے لگی۔ اس کی ماں نے ہمیشہ معاف کرنا سکھایا تھا۔ اس نے اس کے بندھے ہاتھ کھولے اور اپنے گلے سے لگایا اور اسے اپنے گھر اپنی بہن بنا کر لے آئی جہاں اس کی پیاری ماں نے منال کو اپنی دوسری بیٹی مانتے ہوئے سینے سے لگا لیا۔ اب عروہ کی ایک چھوٹی سی جنت ہے جس میں اس کی پیاری ماں اور بہن رہتی ہے۔ منال نے بھی جان لیا کہ کبھی کسی کی غربت کا مذاق نہ اُڑاؤ کیوں کہ اللہ تعالیٰ یہ پسند نہیں کرتا۔ عروہ نے منال کو معاف کر دیا کیوں کہ اعلیٰ ظرف لوگ دوسروں کی غلطیوں کو معاف کر دیتے ہیں۔

پانچواں انعام: 95 روپے کی کتب



نسرین نکہت سبزواری

روبوٹ

عزمی کو کسی ضروری کام سے فرحان ٹیکسٹائل ملز جانا تھا۔ مل کا مالک کالج کے زمانے میں عزمی کا ہم جماعت اور خاصا قریبی دوست تھا۔ کالج کی تعلیم مکمل کر کے فرحان علی کاروبار میں باپ کا ہاتھ بٹانے لگا اور عزمی نے یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا۔ وہ جرنلزم میں ماسٹرز کر کے ایک چھوٹے سے اخبار کے لیے کام کرنے لگا کیوں کہ اس کے پاس کوئی بڑی سفارش تھی اور نہ ہی اسے سفارش کا آسرا لینا پسند تھا۔

آج وہ دو تین مہینوں بعد فرحان سے ملنے آیا تھا۔ اسے ایک ضرورت مند کو مل میں نوکری دلوانی تھی۔ فرحان کے وسیع و عریض کارخانے میں مزدوروں کی ضرورت رہتی ہی تھی۔ عزمی مل کے احاطے میں داخل ہوا تو اسے بڑی خاموشی سی محسوس ہوئی۔ یہاں تو ہر وقت مشینوں کے شور سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی اور آدمیوں کا رش لگا رہتا تھا۔ صرف فرحان کے شان دار دفتر تک یہ شور نہیں پہنچتا تھا۔ کیوں کہ اس کی دیواریں اور دروازے ساؤنڈ پروف تھے۔ فرحان بھی آج فارغ نظر آ رہا تھا اور ٹی وی دیکھنے میں مصروف تھا۔ عزمی نے جب کارخانے میں اتنی خاموشی کا سبب پوچھا تو وہ منہ بنا کر بولا۔

”یار مزدوروں کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ ہڑتال کے ذریعے اپنے مطالبات منوانا چاہتے ہیں۔“

”ہڑتال!!......“ عزمی کے ذہن کو جھٹکا سا لگا۔ ”کتنے دن سے ہڑتال ہے؟......“

”یار تقریباً پانچ ہفتے ہو گئے ہیں۔ میں نے بھی ان کی اس مہینے کی تنخواہ روک لی ہے۔ بھوکے مریں گے تو دماغ خود بخود ٹھکانے آ جائیں گے۔“ فرحان کے لہجے میں سختی اور غرور تھا۔

”لیکن فرحان اس کا مطلب تو یہ ہے کہ یہ لوگ پانچ ہفتوں سے اپنی ضرورتوں سے محروم ہیں۔ ان غریبوں کے پاس بچت کا ہونا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بے چارے مشکل سے گزارا کرتے ہیں۔ بچے تو بھوک سے تڑپ رہے ہوں گے۔“ عزمی کا نرم دل بے چین ہو اُٹھا۔

”تڑپ رہے ہیں تو تڑپیں۔ میں کیا کروں۔ کام بند پڑا ہے تو میں تنخواہیں کہاں سے دوں۔ میرے پاس حرام کا مال بھرا ہے کیا......؟“ فرحان سخت لہجے میں تھا۔ عزمی کو پتا تھا کہ فرحان

خالص کاروباری ذہن کا مالک تھا۔ اس نے بات کا رُخ بدلا۔

''لیکن تمہارا ابھی تو نقصان ہو رہا ہوگا......؟''

''اس کی فکر نہ کرو۔ اپنا نقصان تو میں ہڑتال کھلنے کے بعد ڈبل شفٹ لگا کر پورا کرلوں گا اور سزا کے طور پر اوور ٹائم بھی نہیں دوں گا مگر یہ کم بخت لوگ ہڑتال تو ختم کریں۔ ان کا لیڈر بہت ہی اڑیل ہے۔ کسی صورت قابو نہیں آتا۔ میں نے تو اسے اچھی خاصی رقم کی لالچ بھی دی تھی لیکن وہ نہیں مانا، میں نے بھی سوچ لیا ہے میں ان کے مطالبات ہرگز پورے نہیں کروں گا۔''

''لیکن فرحان اس طرح تو تمہیں بہت خسارہ ہو جائے گا۔''

''پرواہ نہیں۔'' فرحان ضدی انداز میں بولا۔ ''اگر یہ دو تین دن تک نہیں مانے تو میں بھی جانتا ہوں کہ مجھے کیا کرنا ہے......''

عزمی کا دل بہت بوجھل ہو گیا تھا۔ وہ مزدوروں کے بارے میں بہت پریشان تھا لیکن فرحان کا رویہ دیکھ کر اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اس کی بات نہیں مانے گا۔ چند لمحوں بعد عزمی نے بھی اجازت چاہی اور دفتر سے نکل آیا۔ بغیر کسی ارادے کے وہ مزدور کالونی کی طرف چل پڑا۔ اسے معلوم تھا کہ فرحان نے مزدوروں کے لیے اس کالونی میں چھوٹے چھوٹے کوارٹرز تو بنوا دیئے تھے مگر وہ ان سے کرائے کے علاوہ بجلی اور پانی کے بل ضرور وصول کرتا تھا۔ لوگ اِدھر اُدھر ٹولیوں کی صورت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ چہرے پریشان تھے اور ان پر فاقہ زدگی کے آثار تھے۔ سب فارغ تھے، گرمی سے بے حال اور بھوکے تھے۔

عزمی کو یہاں پر اکثر لوگ جانتے تھے۔ وہ جب بھی فرحان سے ملنے آتا، مزدور کالونی کا چکر بھی لگا لیتا تھا۔ چند لوگ پُر امید نظروں سے اس کے پاس آئے لیکن عزمی ان کے لیے کیا کرسکتا تھا۔

تین چار دن بعد عزمی نے پھر فرحان ملز کا چکر لگایا۔ وہ ان مزدوروں کے لیے بہت فکر مند اور بے چین تھا۔ کارخانے کے باہر تو وہی ویرانی تھی لیکن اندر داخل ہوتے ہی اسے مشینوں کا شور سنائی دیا۔ گویا کارخانہ چل پڑا تھا۔ کیا فرحان نے مزدوروں کے مطالبات مان لیے تھے۔ عزمی کو خوش گوار سی حیرت ہوئی۔ مگر عجیب بات یہ تھی کہ صرف مشینوں کے چلنے کی آوازیں آرہی تھیں جب کہ پہلے مشینوں کے شور کے ساتھ انسانوں کی آوازیں بھی سنائی دیتی تھیں۔ بھلا جہاں اتنے سارے لوگ جمع ہوں۔ وہاں اتنی خاموشی کیسے ہوسکتی ہے۔ پھر وہاں کوئی ذی نفس بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ عزمی یہی سوچتا ہوا فرحان کے دفتر کی طرف چل دیا۔ فرحان بھی بڑے موڈ میں تھا۔ آج اس نے کھڑے ہو کر عزمی کا استقبال کیا۔

''مبارک ہو، فرحان! تمہارا کارخانہ چل پڑا۔ یقیناً تم نے مزدوروں کے مطالبات مان لیے ہوں گے۔ مجھے خوشی ہے......''

''نہیں یار، میں نے سارا بکھیڑا ہی ختم کر دیا ہے......'' فرحان چہک کر بولا۔

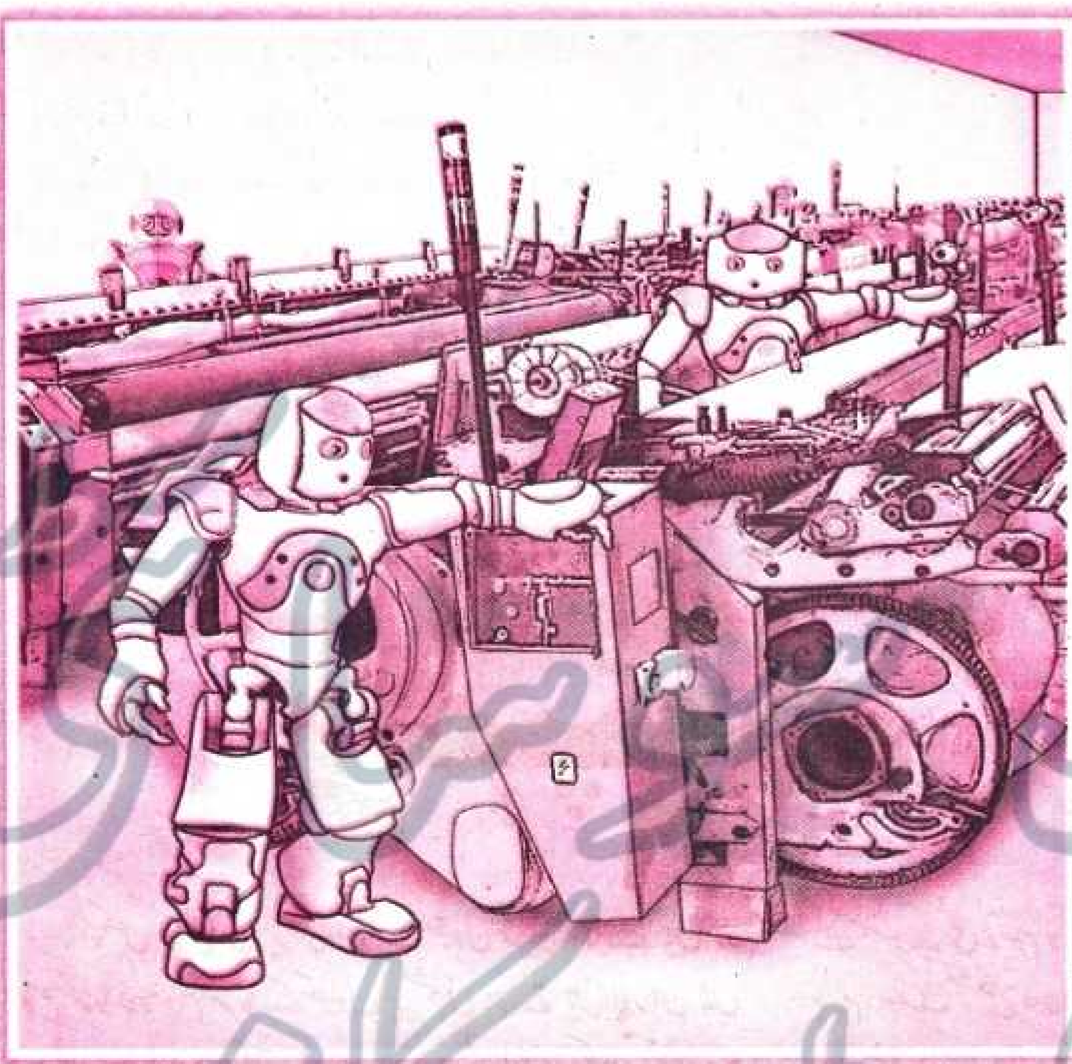
''کیا مطلب ہے......؟'' عزمی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔

''آؤ میرے ساتھ، تم اپنے دوست کی ذہانت اور عقل مندی پر حیران رہ جاؤ گے۔'' فرحان، عزمی کا ہاتھ پکڑ کر آفس سے کارخانے کی طرف چل پڑا۔ ایک بہت بڑے کمرے میں مشینیں چل رہی تھیں لیکن عزمی کو وہاں کوئی مزدور نظر نہ آیا۔

''یہاں تو کوئی مزدور نہیں...... یہ...... یہ مشینیں کیسے چل رہی ہیں؟'' عزمی نے بے حد حیران ہو کر کہا۔

''غور سے دیکھو۔ تمہیں مزدور بھی نظر آجائیں گے۔'' فرحان فخریہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ عزمی کے ذہن کو ایک زبردست جھٹکا لگا مشینوں پر چند روبوٹس بڑی مستعدی سے کام کر رہے تھے۔ مشینیں اپنے مخصوص انداز میں چل رہی تھیں، جہاں بھی کوئی مشین ذرا رکتی ایک روبوٹ آگے بڑھ کر وہ رکاوٹ دُور کر دیتا اور مشین رواں ہو جاتی۔ ''دیکھا اپنے یار کے ذہن کا کمال؟ آم کے آم، گٹھلیوں کے دام۔ اب سارے چکر ختم ہو گئے۔ نہ تنخواہوں کا چکر، نہ مطالبات کی بک بک اور نہ ہڑتال کی جھک جھک۔ اور تو اور چھٹیوں کی مصیبت بھی نہیں۔ ابھی میں نے تجرباتی طور پر یہ چند روبوٹ امریکہ سے منگوائے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ تجربہ کامیاب ہی رہے گا۔ کچھ دن بعد روبوٹس کی ایک اور کھیپ آجائے گی، پھر میں سارے مزدوروں کو فارغ کر دوں گا۔ پھر میں اس جگہ کو بھی کارخانے میں تبدیل کردوں گا۔ اور ہڑتالیں کریں بدبخت کہیں گے......''

''لیکن فرحان...... اس طرح تو ملک میں بے روزگاری کا طوفان آجائے گا۔ اگر دوسرے کارخانے داروں نے بھی تمہاری



تقلید کی تو......'' عزمی اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکا۔

''تو اس میں میرا کیا قصور۔ ان لوگوں نے خود ہی اپنے پاؤں پہ کلہاڑی ماری ہے۔ کاروبار کا تو اصول ہی یہی ہے کہ صرف اپنے فائدے کے بارے میں سوچا جائے......''

عزمی نے کچھ اور کہنا بے کار سمجھا اور فرحان کو خدا حافظ کہے بغیر آفس سے باہر چلا آیا۔

ایک ہفتے بعد فرحان کا ٹیلی فون آیا۔ وہ کچھ فکر مند سا تھا۔ اس کے تینوں بچے ایک عجیب سی بیماری کا شکار ہو گئے تھے جو ڈاکٹروں کی سمجھ میں بھی نہیں آرہی تھی۔ اس نے امریکہ کے ایک ڈاکٹر کو بھی رپورٹس بھیجی تھیں مگر فی الحال وہاں کے ڈاکٹر بھی اس بیماری کو سمجھنے سے قاصر تھے۔ دو تین دن بعد عزمی کو اطلاع ملی کہ بچوں کی بیماری میں افاقہ ہے اور ڈاکٹر پُر امید ہیں۔

ایک مہینے تک عزمی کسی کام میں بے حد مصروف رہا۔ فراغت ملی تو اس نے فرحان کو ٹیلی فون کیا۔ اس کی مردہ سی آواز آئی۔ ''ہاں بچے تو اب کافی بہتر ہیں۔ لیکن یار بڑی مصیبت ہو گئی ہے۔ نہ جانے کس نے میڈیا کو خبردار کر دیا، چند لوگ کارخانے پہنچ گئے۔ میرے پاس کچھ کر لینے کا وقت بھی نہیں تھا، بس سمجھو ایک طوفان آگیا۔ مجبوراً مجھے فوراً مزدوروں کے مطالبات ماننے پڑے اور مجھے مزدوروں کی یہ بات بھی ماننا پڑی کہ میں ان کے لیے مناسب رہائش، مفت علاج اور مفت تعلیم کا بندوبست بھی کر کے دوں گا۔ مزید یہ کہ یہ قانون تمام کارخانے داروں پر لاگو ہوگا اور اس پر عمل نہ کرنے والوں کو سخت سزا ملے گی۔ فرحان دانت پیس کر بول رہا تھا اور عزمی کے دل میں خوشی اور سکون اُترتا جا رہا تھا۔ اسی وقت اس کی نظر کھڑکی سے باہر مشرق سے نکلتے ہوئے سورج پر پڑی۔ نئے سال کا پہلا سورج دُنیا والوں کو مبارک باد دیتے ہوئے مسکراتے ہوئے طلوع ہو رہا تھا۔ اس کی مہندی کرنیں روشنی پھیلا رہی تھیں۔ امید کی روشنی میں عزمی کے دل سے بے اختیار دعا نکلی۔

''یا اللہ نیا سال ہمارے ملک تمام مسلمان ریاستوں بلکہ پوری دُنیا کے لیے خوشی اور امن کا گہوارہ ثابت ہو۔ دُنیا سے ظلم، استحصال اور بے انصافی کا نام ونشان مٹ جائے۔'' اس نے دوبارہ موبائل پر فرحان کو مخاطب کیا۔

''میرے دوست! اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ تم اس عذاب سے بچ گئے جو تم پر بچوں کی بیماری کی صورت میں نازل ہونے والا تھا اور تم دُنیا کی نظروں میں بھی سرخ رو ہو گئے۔ حرام طریقے سے کمائی ہوئی دولت کبھی کبھی اولاد پر مصیبت بن کر نازل ہوتی ہے اور اکثر دُنیا میں بھی ذلیل وخوار کرتی ہے۔ ہمیں پروردگار سے ہمیشہ ڈرتے رہنا چاہیے کہ بسا اوقات اس کا قہر قیامت تک کا انتظار نہیں کرتا۔ عزمی کے ہونٹوں پر بڑی پیاری مسکراہٹ تھی۔

☆☆☆

اولمپکس



اولمپکس عالمی سطح پر کھیلوں کے مقبول ترین مقابلے ہیں جو موسم گرما اور موسمِ سرما کے کھیلوں پر مشتمل ہوتے ہیں اور ان میں دُنیا بھر سے ہزاروں کھلاڑی حصہ لیتے ہیں۔ اولمپک کھیلوں کو دُنیا کا اہم ترین مقابلہ تصور کیا جاتا ہے جس میں 200 سے زائد اقوام شریک ہوتی ہیں۔ اولمپک کھیلوں میں موسمِ سرما اور موسمِ گرما کے مقابلے چار سال بعد منعقد ہوتے ہیں، یعنی دو اولمپک مقابلوں کے درمیان دو سال کا وقفہ ہوتا ہے۔

یہ مقابلے قدیم اولمپک کھیلوں سے متاثر ہیں جو یونان میں آٹھویں صدی قبل مسیح سے چوتھی صدی عیسوی تک منعقد ہوتے رہے۔ نواب پیری دی کوبرٹن نے 1894ء میں بین الاقوامی اولمپک کمیٹی (IOC) کی بنیاد رکھی۔ یہ کمیٹی اولمپک تحریک کی مجلس انتظامیہ ہے جب کہ اولمپک منشور میں اس کا ڈھانچہ اور اختیارات بیان کیے گئے ہیں۔

20 ویں صدی اور 21 ویں صدی کے دوران اولمپک تحریک کے احیاء کے نتیجے میں اولمپک کھیلوں میں کئی تبدیلیاں کی گئیں۔ ان تبدیلیوں میں سے ایک برف اور سرد موسم سے مخصوص کھیلوں کے لیے سرمائی اولمپک مقابلوں کی شمولیت تھی۔ اس کے علاوہ معذور کھلاڑیوں کے لیے پیرا اولمپک اور نوجوان کھلاڑیوں کے لیے یوتھ اولمپک کھیل شامل کیے گئے۔ اولمپک کمیٹی مختلف معاشی، سیاسی اور تکنیکی پہلوؤں کے مطابق تبدیلیاں لاتی رہتی ہے جیسے کہ کوبرٹن نے اولمپک مقابلوں میں خالص غیر پیشہ ورانہ انداز کا تصور دیا تھا، لیکن اب پیشہ ور کھلاڑیوں کو شرکت کی اجازت ہے۔

اولمپک تحریک، انٹرنیشنل اسپورٹس فیڈریشن، قومی اولمپک کمیٹیوں اور ہر اولمپک مقابلے کی انتظامی کمیٹی پر مشتمل ہوتی ہے۔ فیصلہ ساز مجلس ہونے کے ناتے، اولمپک منشور کے مطابق اولمپک کمیٹی ہر مقابلے کے لیے میزبان شہر کا انتخاب اور اخراجات کا انتظام کرتی ہے۔ اولمپک کمیٹی ہی اس بات کا فیصلہ بھی کرتی ہے کہ مقابلوں میں کون کون سے کھیل شامل کیے جائیں گے۔ اولمپک سے منسوب کئی رسوم و رواج اور علامتیں بھی ہیں، جن میں اولمپک پرچم، اولمپک مشعل اور اولمپک کی افتتاحی تقاریب شامل ہیں۔ گرمائی اور سرمائی اولمپکس میں 33 مختلف کھیلوں کے لیے تیرہ ہزار سے زائد کھلاڑی حصہ لیتے ہیں۔ ہر کھیل کے حتمی مقابلے میں پہلے، دوسرے اور تیسرے درجے پر آنے والوں کو بالترتیب طلائی، نقرئی اور کانسی کے اولمپک تمغے دیئے جاتے ہیں۔

اولمپک مقابلوں نے اس قدر وسعت اختیار کر لی ہے کہ اب ان مقابلوں میں تقریباً ہر قوم کی نمائندگی ہوتی ہے۔ اس ترقی نے متعدد چیلنجوں اور تنازعات کو بھی جنم دیا ہے، جن میں بائیکاٹ، ڈوپنگ، رشوت ستانی اور 1972ء میں دہشت گردانہ حملہ شامل ہے۔ جنگِ عظیم کے باعث 1916ء، 1940ء اور 1944ء کے مقابلے منسوخ کر دیئے گئے تھے جب کہ سرد جنگ کے باعث بڑے پیمانے پر بائیکاٹ کے نتیجے میں 1980ء اور 1984ء کے مقابلوں میں شرکت محدود رہی۔ تاہم اولمپکس ہر دو سال میں گمنام کھلاڑیوں کو قومی اور بین الاقوامی سطح پر مشہور ہونے اور خود کو منوانے کے مواقع فراہم کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ مقابلے میزبان شہر، ملک اور قوم کے لیے خود کو دُنیا بھر کے سامنے پیش کرنے کا موقع بھی فراہم کرتے ہوتے ہیں۔

☆☆☆

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماء ے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دستر خوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔



مدیرہ تعلیم و تربیت، السلام علیکم! کیسے ہیں آپ؟ اُمید ہے کہ اللہ کے فضل سے ٹھیک ہوں گی۔ تعلیم و تربیت ایک بہت اچھا رسالہ ہے۔ میری امی اپنے بچپن میں پڑھتی تھیں اور جب سے میں نے پڑھنا شروع کیا ہے تو ابھی اپنے بچپن میں واپس چلے گئے ہیں۔ میرے ساتھ ساتھ باقی گھر والے بھی ہر ماہ اس کے منتظر ہوتے ہیں۔ پچھلے شماروں میں شائع ہونے والی کہانی ''ٹھگ'' ہم سب کو بہت پسند آئی۔ آپ کے تمام سلسلے بہت اچھے ہیں اور مجھے بہت شوق تھا کہ میں اس میں سے کسی کا حصہ بنوں۔ اس دفعہ میں اپنی یہ خواہش پوری کر رہی ہوں۔ کھوج لگائیے اور بلاعنوان کے لیے میں نے اپنا ذہن لڑایا ہے۔ اب اس میں کتنی کامیابی ہوئی ہے، یہ تو آپ ہی بتا سکتے ہیں۔ اب اجازت چاہوں گی، اس دعا کے ساتھ کہ اللہ میرے تعلیم و تربیت کو اسی طرح کامیابی دیتا رہے۔ آمین!

(لائبہ فواد، لاہور)

☆ والدہ کو سلام کہیے گا اور خط لکھنے کا بہت شکریہ!

فروری کا شمارہ بہت اچھا لگا۔ پیارے اللہ کے پیارے نام بہت اچھے رہے۔ کیا آپ میری ای میل سے ناراض ہیں؟ تمام کہانیاں ٹاپ پر تھیں۔ اُمید ہے کہ یہ میرا پیارا خط آپ ضرور شائع کریں گی۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ''تعلیم و تربیت'' کو دن دگنی رات چگنی ترقی دے۔ آمین!

(گل شان سردار، ساہیوال)

☆ آپ سے ناراض کیسے ہو سکتے ہیں؟ ناممکن۔

السلام وعلیکم! اس مہینے جب رسالہ یکم کو ملا تو بہت اچھا لگا۔ آپ سب کو یومِ پاکستان (23 مارچ) مبارک ہو۔ مارچ میں میرے سالانہ امتحانات ہونے والے ہیں۔ میرے لیے دعا کیجئے گا کہ اللہ تعالیٰ مجھے کامیابی دے۔ فروری کا رسالہ بہت زبردست تھا۔ کہانیوں میں قصہ تین درزیوں کا، جنوں کی سرزمین، لاجواب، گولو اور مولو ٹاپ پر تھیں۔ آپ سے گزارش ہے کہ میرا خط ضرور شائع کیجئے گا۔ اگلے ماہ آپ سے پھر ملیں گے۔ اللہ تعالیٰ میرے رسالے کو بہترین ہونے کی توفیق دے!

(وردہ زہرہ، جھنگ)

السلام وعلیکم! آج تعلیم و تربیت ملتے ہی نہ پڑھا، صرف یہ دیکھا کہ میرا خط شائع ہوا یا نہیں مگر مایوسی ہوئی۔ خیر چھوڑیئے کوئی بات نہیں۔ فروری کا شمارہ پہلے شماروں کی طرح بہت ہی اچھا اور قابلِ تحسین تھا۔ اچھی عادت، بارہ دوست بارہ باتیں تو لاجواب تھیں۔ میں نے اس مرتبہ بھی دماغ لڑاؤ کا جواب، میری زندگی کے مقاصد، بلاعنوان کا عنوان اور کھوج لگایئے کا جواب بھیجا۔ اوہو! ایک بات بتانا بھول ہی گئی، آپ بھی لکھیے میں کہانی بھی بھیجی ہے۔ پلیز! ضرور شائع کیجئے گا۔ فروری کا موضوع بسنت میلہ کے حوالے سے ہم بہن، بھائیوں اور کزن نے ڈرائنگ بھی بھیجی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم پر مہربانی کرے اور قرعہ اندازی میں ہمارا بھی نام آجائے۔ آخر گھر والوں سے شاباش اور دوستوں سے تعریفیں بھی تو سننی ہیں۔

(سمعیہ افتخار، شیخوپورہ)

☆ خط شائع ہو گیا اب آپ خوش ہیں؟؟؟

میں نے تعلیم و تربیت 2014ء سے پڑھنا شروع کیا تھا۔ پھر درمیان میں ''تعلیم و تربیت'' بک اسٹال پر نہیں آتا تھا۔ اب فروری 2017ء سے باقاعدگی سے پڑھنا شروع کر دیا ہے اور لکھنے کی بھی ٹھان لی ہے۔ فروری 2017ء کے شمارے نے مجھے لاجواب کر دیا۔ ساری کہانیاں رنگین اور پیاری تھیں۔ خاص طور پر ''قصہ تین درزیوں کا، گولو اور مولو، لاجواب، کاؤچ پوٹیٹو، بھول بھلکڑ، بارہ دوست بارہ باتیں اور جنوں کی سرزمین'' نے خوب لطف دلایا۔ ''بچوں کا انسائیکلوپیڈیا'' نے معلومات دیں۔ ''خوش قسمت حسن'' بہت پسند آئی۔ ''پیارے اللہ کے پیارے نام'' پیارا سلسلہ ہے۔ ''آپ بھی لکھیے'' میرا پسندیدہ سلسلہ ہے۔ ''مختصر مختصر'' میں چھوٹی مگر اچھی تحریریں پسند آتی ہیں۔ باقی رسالہ بھی ماشاء اللہ خوب بنا، سنورا ہوا ہے۔

مجھے کہانیاں، مضامین، نظمیں لکھنے کا شوق حد سے زیادہ ہے۔ مجھے رسائل پڑھنے کا شوق سب سے پہلے ''تعلیم و تربیت'' سے ہوا اور ادب کی دُنیا میں قدم رکھنے کا جنون بھی مجھے ''تعلیم و تربیت'' نے دیا۔ ''تعلیم و تربیت'' وطن کے معماروں کی اچھی تربیت کرنے میں

مصروف عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ''تعلیم و تربیت'' ہمیشہ چمکتا رہے اور آفتاب کی مانند اپنی روشنی دُور دُور پھیلا کر ہر شے کو روشن کرتا رہے۔ (آمین!) اچھا! مجھے آپ سے کہنا ہے کہ ''تعلیم و تربیت'' ہر ماہ ہمارے شہر ''علی پور'' میں بھجواتی رہا کریں اور ہم سے دعائیں لیتی رہا کریں۔ براہِ کرم میرے اس خط کو ''ایڈیٹر کی ڈاک'' میں شائع کر دیں۔ اگر آپ مجھ سے پیار کرتی ہیں اور آپ چاہتی ہیں کہ تعلیم و تربیت کے ایک لکھاری و قاری کو رہنمائی ملے تو آپ کو میرا یہ خط ہر حال میں شائع کرنا ہو گا۔ میں کہانیاں اور نظم بھیج رہا ہوں، شائع کر دیں۔ کیا کہانی بھیج سکتا ہوں سلسلہ ''آپ بھی لکھیے'' کے لیے؟

(سلمان یوسف سمیجہ، علی پور)

☆ خوب صورت تبصرے کا شکریہ!

میں آپ سے بہت ناراض ہوں کیوں کہ آپ میرا خط کبھی شائع نہیں کرتے لیکن اس پیارے رسالے کے ساتھ زیادتی نہیں کروں گی۔ فروری کا شمارہ زبردست تھا۔ تمام کی تمام کہانیاں زبردست تھیں، خاص طور پر ''لاجواب'' پڑھ کر کشمیری عوام کے لیے دل سے دعا نکلی کہ ''اے اللہ ان پر رحم فرما اور جلد آزادی سے ہمکنار فرما'' کہانی پچھتاوا پڑھ کر بہت سبق ملا۔ اس کے علاوہ باقی تحریریں جیسے حمد و نعت، اشعار، لطائف، بلا عنوان، آپ بھی لکھیے، بوجھو تو جانیں، ہونہار مصور سب ہی نے ہمیں ''لاجواب'' کر دیا۔ میری تحریریں ضرور شائع کیجیے گا ورنہ میں آپ سے ناراض ہی رہوں گی۔ اللہ تعالیٰ تعلیم و تربیت کو دن دگنی رات چگنی ترقی عطا فرمائے۔ آمین!

(میمونہ نوید، راول پنڈی)

☆ میمونہ ڈیئر ناراض مت ہوں۔ ٹیلی فون پر رابطہ کیجیے۔

سویٹ آپی، السلام و علیکم! اُمید ہے آپ خیر و عافیت سے ہوں گی اور اگلا شمارہ بنانے میں مصروف ہوں گی۔ اس ماہ کا رسالہ لاجواب تھا۔ مجھے تعلیم و تربیت سے گہری دل چسپی اور لگاؤ ہے۔ اس لیے آج کچھ لکھنے پر مجبور ہوئی۔ آج دُنیائے ادب کا درخشاں نام ایک چمکتے دمکتے ستارے کی مانند ہے اور جس کا نام سنتے ہی ذہن بلاواسطہ اُردو ادب کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، وہ نامور اور زندہ تابندہ نام ''تعلیم و تربیت'' ہے۔ میں اس رسالے کو نہایت شوق سے پڑھتی ہوں اور اس کو تمام اُردو رسالوں پر فوقیت دیتی ہوں۔ درحقیقت ''تعلیم و تربیت'' معلومات کا خزانہ ہے۔ یہ علم پھیلانے اور معلومات کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے۔ آج کل کی پریشان کن زندگی میں بہت مشکل سے ہی تفریح کے چند لمحات میسر آتے ہیں۔ اقوال زریں اور لطیفے لوگوں کا دل خوش کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ رسالے میں موجود یہ تمام چیزیں ہم پڑھ کر صرف لطف اندوز نہیں ہوتے بلکہ اس سے اچھا سبق بھی سیکھ لیتے ہیں۔

ادب نہ طراوت چمن اب نہ وہ زینت بہار
تیرے بغیر زندگی میں رونق زندگی نہیں

(حفصہ اعجاز، صوابی)

☆ حفصہ خط پڑھ کر خوشی ہوئی۔ باقاعدگی سے شامل ہوا کریں۔

اگر بات شمارہ فروری کی ہو تو بہت زبردست مگر سب سے اہم چیز شمارہ کا ایک تاریخ کو مارکیٹ میں آنا، ادارے کی بہترین کارکردگی کی عکاسی کرتی ہے۔ باقی حسبِ سابق تمام سلسلے اور کہانیاں اچھی تھیں۔ طوالت کا خوف ہے ورنہ باتیں بہت ہیں! آخر میں ایک ناقص رائے ہے کہ براہِ کرم معلوماتی سلسلے مثلاً بچوں کا انسائیکلوپیڈیا کے صفحات بڑھائے جائیں۔ والسلام!

(حضرت امین، پشاور)

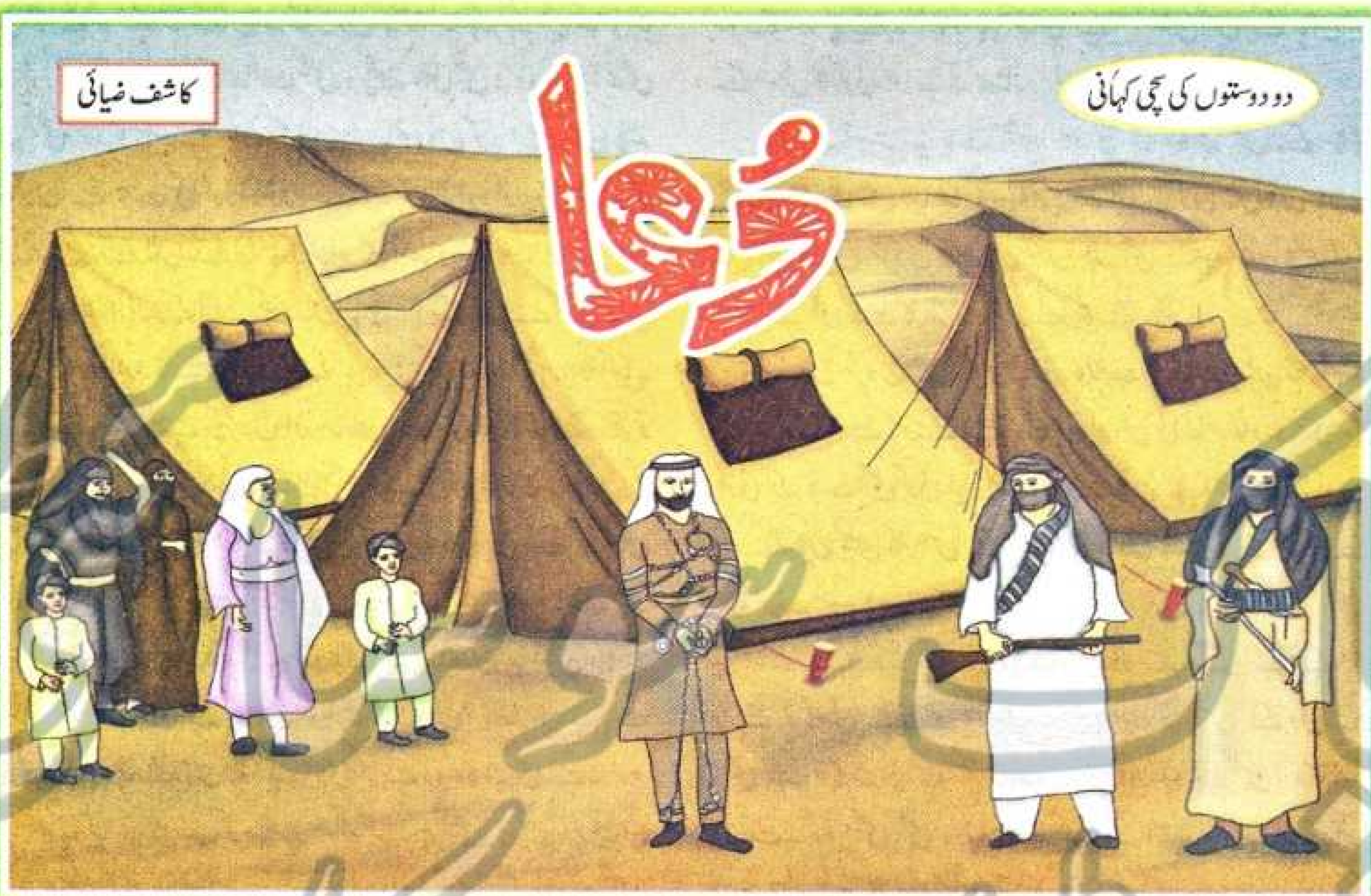
☆ آپ کی تجویز پر غور کریں گے۔ خط لکھنے کا شکریہ!

السلام و علیکم! مجھے بچپن سے ہی کہانیاں پڑھنے کا بہت شوق ہے لیکن تعلیم و تربیت جیسا رسالہ کوئی بھی نہیں ہو سکتا۔ مجھے تعلیم و تربیت پڑھتے ہوئے تین سال ہو گئے۔ آج پہلی دفعہ کہانی لکھ کر بھیج رہی ہوں۔ اگر میری کہانی آپ کو اپنے رسالے کے قابل لگے تو ضرور شائع کیجیے گا۔ میں آئندہ بھی کہانیاں لکھ کر بھیجتی رہوں گی۔ میری گزارش ہے کہ میری کہانی کو مارچ کے شمارے میں ضرور شامل کیجیے گا۔ شکریہ!

(کومل شبیر، راول پنڈی)

ان ساتھیوں کے خطوط بھی بہت مثبت اور اچھے تھے، تاہم جگہ کی کمی کے باعث ان کے نام شائع کیے جا رہے ہیں:

مریم اسحاق، محمد رمیز بٹ، نور الحسن عینی، ایاز احمد، محمد دانیال، لاہور۔ مہد حسن، بھکر۔ زینب صادق، فاورق آباد۔ عبدالمعید، ٹیکسلا۔ عبادالرحمٰن، مانسہرہ۔ محمد عمر فاروق، سیال کوٹ۔ ثمرہ احمد سعید، ڈسکہ۔ محمد شاس حسین، رمین زہرہ، بہاول پور۔ مقدس خان، حیدر آباد۔ محمد احمد رضا انصاری، کوٹ ادو۔ منیا عمر، اسلام آباد۔ فاکہہ خالد راؤ، جوہر آباد۔ حسن رضا سردار، کاموکی۔ منیب الحسن، اٹک۔ ملک محمد احسن، راول پنڈی۔ سائرہ حبیب، تاندلیانوالہ۔ الفت حسین، شیخوپورہ۔ محمد ارحم معراج، سرگودھا۔ ایمان، گجرات۔ ابوبکر جاوید، لالہ موسیٰ۔ عروج فاطمہ، کھاریاں۔ مریم منیر، چونیاں۔ عائشہ شہباز، وہاڑی۔



یہ کہانی آج سے تین سو برس پہلے کی ہے۔ بغداد کے ایک محلے میں عکاشہ اور محسن دو دوست رہا کرتے تھے۔ ان کا پیشہ تجارت تھا اور اس سے پہلے ان کے والدین کا پیشہ بھی یہی تھا۔

عکاشہ اور محسن قافلوں کی صورت میں سفر کرتے، مختلف جگہوں پہ رُکتے، اپنا مالِ تجارت بیچتے اور یوں نفع کماتے ہوئے گھر آجاتے تھے۔ اس طرح سال میں زیادہ تر وقت ان کا گھر سے باہر گزرتا تھا۔ ایک مرتبہ انہوں نے سوچا کہ کیوں نہ اس مرتبہ مکہ جایا جائے۔ تجارت بھی ہوگی اور عمرہ بھی ادا کر لیا جائے گا۔ اس صلاح مشورے کے بعد انہوں نے ضروری تیاری مکمل کی اور ایک قافلے میں شریک ہوگئے جو اسی مقصد سے مکہ جا رہا تھا۔

سفر زور و شور سے شروع ہو گیا اور قافلہ منزلوں پہ منزلیں مارتا ہوا مکہ کی طرف بڑھنے لگا۔ راستے میں ایک نخلستان آیا جس کا نام ”طرباہ“ تھا۔ اس کا مالک ایک نیک دل انسان تھا۔ اس نے سارے قافلے والوں کی دعوت کی۔ قافلے والے یہاں تازہ دم بھی ہوئے اور بھنے گوشت کی دعوت بھی اُڑائی۔ اس کے بعد پھر سفر شروع ہو گیا۔

طرباہ سے کوئی چالیس بیالیس میل آگے ”ایلوس کی پہاڑیاں“ آئیں۔ ایلوس اس زمانہ میں سنگِ مرمر جیسے ایک پتھر کو کہتے تھے جس کا رنگ سرخ اور سرمئی ہوتا تھا۔ یہ علاقہ بہت زیادہ خراب اور پریشان کر دینے والا تھا۔ راستے کے دونوں طرف چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں تھیں جو کبھی قریب آجاتیں اور کبھی دُور چلی جاتیں۔ ہوا یہاں کی بھاری تھی۔ ہر وقت ریت اُڑاتی تھی اور آندھی کا سا سماں رہتا۔ ایلوس سے گزرنے والا کوئی بھی مسافر ایسا نہ ہوتا جس کے منہ، آنکھوں اور کانوں میں مٹی نہ جاتی یا جو شدید آندھی اور ریت کی وجہ سے اپنا راستہ نہ بھٹک جاتا۔ یہ سب تو ایک طرف، اس علاقے کی سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ مختلف جگہوں پر ڈاکو منہ لپیٹے گھات میں چھپے رہتے اور موقع پاتے ہی مسافروں کو لوٹنے کی کوشش کرتے۔

ان ڈاکوؤں کو تو اس علاقے کی عادت تھی لیکن مسافر بے چارے اونچے نیچے راستے کی وجہ سے یا خراب موسم کی وجہ سے اِدھر اُدھر بھٹک جاتے۔ اسی لیے ایلوس کا علاقہ سب لوگوں میں خوف اور دہشت کی علامت تھا۔ عکاشہ اور محسن کا قافلہ جب اس علاقے کے قریب پہنچا تو وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ صحرا میں آندھی چلنے لگی جس کے اثر سے ریت اُڑ کر آنکھوں میں پڑنے لگی۔ امیر قافلے کے لیے ایسے وقت

میں قافلے کو سنبھالنا آسان نہ تھا کیوں کہ راستہ جگہ جگہ بل کھاتا تھا اور خود قافلے والوں کی حالت بھی دیکھنے والی تھی۔ وہ اس آندھی میں کبھی خود کو سنبھالتے اور کبھی اپنے جانوروں کو۔ ایسے میں چند جوانوں نے ہمت کی اور اونٹوں سے اُتر آئے اور تلواریں نکال کر قافلے کو گھیرے میں لے لیا تاکہ کوئی بھی نقصان نہ ہو۔

خدا خدا کر کے ایک گھنٹے میں پانچ میل کا سفر طے کر کے یہ علاقہ ختم ہوا اور قافلے والوں نے باہر نکل کر خدا کا شکر ادا کیا۔ جب سب لوگ اپنے کپڑوں اور سامان سے مٹی جھاڑ رہے تھے تو امیر قافلہ نے گنتی کروائی۔ پتا چلا کہ ایک آدمی اور چند اونٹ کم ہیں۔ محسن کو ایسے میں عکاشہ کا خیال آیا۔ وہ کافی دیر سے نظر نہیں آرہا تھا۔ اس نے اسے اِدھر اُدھر تلاش کیا لیکن وہ نہ ملا۔ پھر دوسرے لوگوں سے مدد مانگی۔ سب نے مل کر تلاش کیا لیکن عکاشہ نہ ملا۔ سب حیران تھے کہ آخر عکاشہ گیا کہاں؟ جلد ہی یہ بات واضح ہوگئی کہ قافلے میں جو ایک آدمی کم ہے وہ عکاشہ ہی ہے۔

اب کیا تھا؟ سب کو سانپ سونگھ گیا۔ ہر شخص حیران، پریشان تھا کہ عکاشہ کہاں ہے؟ سب سے بُری حالت اس کے دوست محسن کی تھی۔ عکاشہ صرف اس کا دوست ہی نہیں بلکہ بچپن کا ساتھی بھی تھا، دونوں میں بھائیوں جیسا پیار تھا۔ اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کرے تو کیا کرے اور عکاشہ کو کہاں تلاش کرے؟

ایسے میں قافلے والوں نے اسے تسلیاں دینی شروع کیں کہ عکاشہ یہیں کہیں ہوگا اور جلد ہی ہم سے آملے گا لیکن اس کی ان بچوں جیسی باتوں سے اس کا دل مطمئن نہ ہوا۔ پھر یہ مشورہ ہوا کہ مکہ پہنچا جائے اگر خدا کو منظور ہوا تو عکاشہ پیچھے سے ہمیں آملے گا۔

محسن سارے قافلے کی مخالفت مول نہ لے سکتا تھا وہ چاروناچار ان کے ساتھ آگے روانہ ہوگیا لیکن اس کے دل میں رہ رہ کر عکاشہ کا خیال آتا رہا۔ مکہ میں بھی اس کا دل کہیں نہ لگا۔ اسے ہر وقت عکاشہ کی یاد ستائے رکھتی۔ جب زیادہ بے چین ہوتا تو بیت اللہ میں چلا جاتا اور خانہ کعبہ کا پردہ تھام کر دعا کرتا۔ ''یااللہ! مجھے میرا بچھڑا دوست ملا دے۔'' واپس بغداد پہنچ کر بھی وہ اداس اداس رہا۔

یہ اس کی زندگی کی واحد تجارت تھی جس کے نفع سے اسے کوئی خوشی نہ ہوتی تھی۔ اس کا دوست ہی اس کے ساتھ نہ تھا۔ عکاشہ کے دونوں بیٹے سوالیہ نشان کی طرح اس کے سامنے آکھڑے ہوتے اور پوچھتے۔ ''ہمارا بابا کہاں ہے؟'' لیکن محسن کے پاس ان کے سوال کا کوئی جواب نہ ہوتا۔

آہستہ آہستہ یہ بات مشہور ہوگئی کہ عکاشہ محسن کے ساتھ تجارتی قافلے میں گیا تھا لیکن واپس نہ آیا۔ لوگوں میں اس بارے میں چہ مگویاں شروع ہوگئیں جس جگہ بھی دیکھو، چار چھے آدمی کھڑے اسی بات کا تذکرہ کر رہے ہوتے تھے۔

شروع شروع میں تو اس بات کا بہت چرچا ہوا لیکن پھر آہستہ آہستہ لوگ اسے بھولتے چلے گئے اور لوگوں کی عام عادت بھی یہی ہوتی کہ جب بھی کوئی نیا واقعہ ہوجائے تو خوب اس کے تذکرے کرتے ہیں لیکن پھر اس کے بعد اسے بھول بھال کر کسی اور واقعے کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

ہوتے ہوتے تین ماہ ہوگئے، بغداد کے لوگ کب کے اس واقعے کو بھول چکے تھے لیکن ایک شخص ایسا تھا جس کے دل سے ابھی تک عکاشہ کی یاد ختم نہ ہوئی تھی اور وہ تھا محسن، عکاشہ کا دوست۔ وہ ابھی بھی روزانہ دعا کرتا کہ عکاشہ اس سے آملے۔ اسے اس بات کا پورا یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن ان دونوں کی ملاقات ضرور ہوگی اور پھر ایک دن ایسا ہو بھی گیا۔

محسن بغداد کے بازار میں چلا جارہا تھا کہ اس نے دیکھا کہ سامنے سے عکاشہ آرہا ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے تو اسے سکتہ طاری ہوگیا۔ وہی رنگ، وہی قد، وہی جسم، وہ عکاشہ ہی تھا لیکن محسن کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔

''عکاشہ!'' اس کے منہ سے گھٹی گھٹی چیخ نکلی۔ عکاشہ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا اور بدستور مسکراتا رہا۔ یہ اس کی پرانی عادت تھی کہ مسکراتا بہت تھا۔

''عکاشہ!'' محسن کے منہ سے دوبارہ نکلا، اسے ابھی تک یقین نہیں آرہا تھا اور وہ دوڑ کر عکاشہ کی طرف لپکا۔

دونوں دوست گرم جوشی سے گلے ملے۔ ''کہاں تھے اب تک اے دوست؟ کہاں کھو گئے تھے؟ اتنا عرصہ کہاں رہے؟ یہاں تک کیسے پہنچے؟'' محسن نے ایک ہی سانس میں کئی سوال کر ڈالے۔

عکاشہ نے اس سے علیحدہ ہو کر اپنا سانس درست کیا اور مسکرا کر بولا۔ ''میں اب اللہ کی مہربانی سے تمہارے پاس آچکا ہوں، مجھے اپنے گھر والوں سے بھی ملنے دو گے یا یہیں روکے رکھو گے۔''

''نہیں، عکاشہ!'' محسن بے صبری سے بولا۔ ''پہلے یہ بتاؤ کہ ایلوس میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا تھا تمہیں معلوم ہے میں نے یہ تین ماہ کیسے کاٹے ہیں تمہارے بغیر۔''

''تمہاری یہ جلد بازی کی عادت نہیں گئی۔'' عکاشہ نے کہا۔

''پہلے تو میں اپنے گھر والوں سے ملوں گا، گھر والوں کا حق پہلا ہوتا ہے پھر تمہیں سب کچھ بتاؤں گا۔''

چناں چہ طے یہ ہوا کہ شام کو عکاشہ محسن کے گھر کھانے پر آئے گا اور پھر باتیں ہوں گی۔

☆☆☆

شام کو عکاشہ محسن کے گھر میں بیٹھا قہوہ پی رہا تھا۔

''ہاں تو دوست، اب بتاؤ! کیا ہوا تھا تمہارے ساتھ؟'' محسن کو ماضی کی ساری کہانی جاننے کی جلدی تھی۔

''بتاتا ہوں، بتاتا ہوں۔'' عکاشہ نے یہ کہا، پھر قہوے کا ایک گھونٹ بھرا اور پیالی رکھ کر یوں بات شروع کی۔

''محسن تم جانتے ہو ایلوس کے علاقے تک میں قافلے والوں کے ساتھ تھا۔''

''مجھے سب یاد ہے۔'' محسن نے کہا۔ ''اس کے بعد تم کھو گئے تھے۔''

''میں کھویا نہیں تھا، مجھے اغوا کیا گیا تھا۔'' عکاشہ نے کہا۔

''کیا؟ اغوا کیا گیا تھا۔'' محسن حیران ہوا۔ ''لیکن کس نے؟ وہاں تو کوئی بھی نہیں تھا۔''

''یہی تمہاری بھول ہے۔'' عکاشہ نے جواب دیا۔ ''کیا تم ان صحراتی ڈاکوؤں کو بھول گئے ہو جو ایلوس میں اِدھر اُدھر چھپے رہتے ہیں۔''

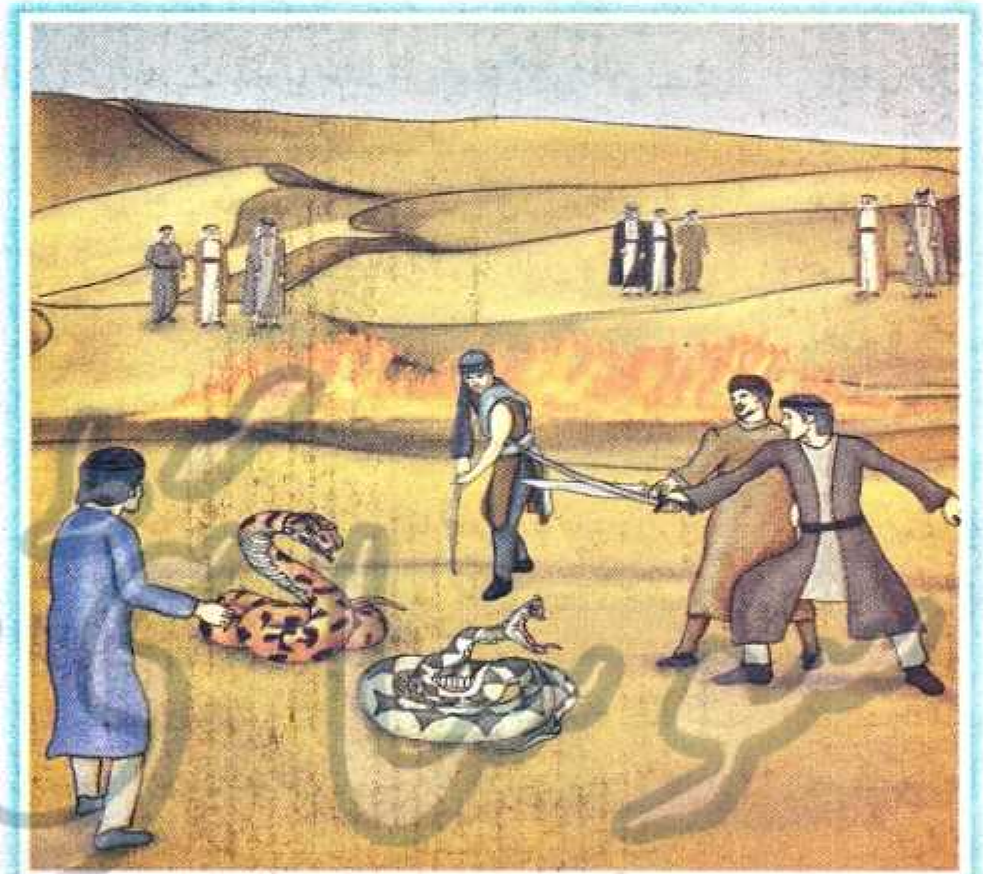
محسن نے اس کی اس بات کا کوئی جواب نہ دیا، بس خالی خالی نظروں سے اسے تکتا رہا۔ پھر عکاشہ نے خود ہی بات کو آگے بڑھایا۔

''جس وقت آندھی چلی ڈاکوؤں نے بھی ٹھیک اسی وقت حملہ کیا تھا اور ان کے حملہ کرنے کا صحیح وقت بھی وہی ہوتا ہے۔ آندھی کی بھاگ دوڑ میں مسافروں کو عام طور پر سنبھلنے کا موقع نہیں ملتا اور ڈاکو اتنی دیر میں اپنا کام کر جاتے ہیں۔ ہمارے قافلے میں اونٹوں کی سب سے آخری قطار ڈاکوؤں نے چرا لی تھی اور میں اسی قطار میں تھا۔ دو اونٹ میرے آگے تھے اور دو میرے پیچھے۔ ڈاکو برق رفتاری سے ساری قطار کو پہاڑوں کے پیچھے لائے جہاں آندھی سے قدرے امن تھا۔ یہاں پہنچ کر سب سے پہلے انہوں نے اپنے تمام ساتھیوں کو جمع کیا، پھر اونٹوں کو ایک سیدھ میں کیا، اس کے بعد میرے ہاتھ پاؤں باندھے اور مجھے ایک اونٹ پر ڈال کر شمال کی طرف ایک تنگ راستے پر روانہ ہوگئے۔ میں یہ سب کچھ ہوتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ یہ ان ڈاکوؤں کا روزانہ کا معمول ہے جبھی تو انہیں اس طرح کی واردات میں اتنی مہارت حاصل ہے۔ وہ تنگ راستہ دس، بارہ میل آگے جا کر ایک چھوٹے سے میدان پر ختم ہوگیا۔ میدان کے اردگرد خیمے تھے۔ میں یہ دیکھ کر حیران ہوگیا کہ کام تو ان کا ڈکیتی ہے لیکن یہ ڈاکو بیوی بچوں والے ہیں اور خیمے بنا کر بستی کی شکل میں رہتے ہیں۔

بہر حال انہوں نے مجھے میدان میں لا پھینکا، عورتیں اور بچے میرے گرد ایسے جمع ہوگئے جیسے میں کوئی نئی مخلوق ہوں۔ اس کے بعد مجھے کھانا دیا گیا اور پھر زنجیر پہنا کر ایک خیمے میں قید کر دیا گیا۔

محسن! میرے دوست! یقین کرنا یہاں سے میری طویل تکلیفوں کا آغاز ہوا۔ میں سارا دن خیمے میں بندھا پڑا رہتا۔

نہ کوئی مجھ سے ملتا اور نہ میں کسی سے ملتا بس صبح و شام کا کھانا دے دیا جاتا۔ یہ ڈاکو صبح سویرے اپنے کام یعنی ڈاکہ زنی پر روانہ ہو جاتے اور شام کو آ کر مجھے ذرا دیکھ لیتے۔ دن یوں ہی گزرنے لگے۔ اسی دوران ایک نئی مصیبت پیدا ہوئی۔ میری بھوک بند ہوگئی، رنگ پیلا ہو گیا اور ہاتھ پاؤں سوج گئے۔ پتا چلا کہ مجھے یرقان ہو چکا ہے۔ جاہل تو یہ لوگ تھے ہی۔ انہوں نے جڑی بوٹیوں سے میرا علاج کیا جس سے حالت سنورنے کے بجائے مزید بگڑ گئی۔ آہستہ آہستہ حالت یہ ہوگئی کہ میرے پیٹ کی جھلیوں میں پانی بھر گیا اور میرا پیٹ مٹکے کی طرح پھول گیا۔ اب میں حرکت کرنے سے بالکل ہی لاچار ہوگیا۔ یہ سب اس غلط ملط علاج کا نتیجہ تھا جس سے شفا آنے کے بجائے میں موت کے اور قریب ہوگیا۔ بہرحال انہوں نے میرے ساتھ اتنی مہربانی کی کہ زنجیر کھول دی۔ مجھے اس کا کیا فائدہ تھا۔ میں تو ہل جل بھی نہ سکتا تھا۔ بس سارا دن خیمے کے سائے میں پڑا رہتا اور اپنی زندگی کے دن گنتا رہتا۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ میں کبھی اپنے گھر والوں سے مل پاؤں گا یا یہیں صحرا میں مر کھپ جاؤں گا۔ اس حالت میں ایک کام البتہ ایسا تھا جو میں نے روزانہ کیا اور وہ تھی دعا۔ میں روزانہ اپنے رب سے دعا کرتا کہ



یا اللہ میری زندگی کے اچھے دن دوبارہ پھیر لا۔

اسی دوران ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ ایک دن یہ لوگ بڑے بڑے صحرائی اژدھے شکار کر کے لائے۔ اس دن مجھے معلوم ہوا کہ یہ انسانوں کے علاوہ جانوروں کا بھی شکار کرتے ہیں۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے ان بڑے بڑے سانپوں کا میدان میں ڈھیر لگا دیا اور پھر تلواروں سے ان کی دمیں اور سر علیحدہ کر دیئے۔ اس کے بعد ان پر کوئی خاص مصالحہ چھڑکا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ وہ مصالحہ کیا تھا لیکن اس کے اثر سے سانپوں کے جسم سکڑ گئے اور ان کا سارا زہر زمین پر ٹپک گیا۔ اس کے بعد انہوں نے انہیں آگ پر بھونا اور مزے لے لے کر کھایا۔ پھر کھجور کا شربت پیا اور مدہوش ہو کر سو گئے۔ میں دم سادھے یہ سارا منظر دیکھتا رہا۔ آدھی رات کے وقت تک یہ عالم تھا کہ بھرے میدان میں یہ سب اِدھر اُدھر سوئے پڑے تھے اور پوری امید تھی کہ صبح سے پہلے نہیں اُٹھیں گے۔ تھوڑی دیر تک تو میں انہیں دیکھتا رہا۔ پھر میرے ذہن میں ایک عجیب بات آئی۔ بیمار تو میں تھا ہی اور بیماری بھی ایسی سخت تھی کہ جس میں کوئی مشکل سے ہی بچتا ہے، میں نے سوچا کہ اگر میں بھی یہ زہریلا گوشت کھا لوں تو تم از کم اس تکلیف دہ زندگی سے تو نجات پا جاؤں گا۔

چناں چہ یہ خیال آتے ہی میں گھسٹ گھسٹ کر آلاؤ کے پاس آیا اور اپنا منصوبہ پورا کر لیا۔ اس کے فوراً بعد مجھے گہری نیند آگئی۔ قدرت کو مجھے بچانا منظور تھا یا میری زندگی کے دن ابھی شاید باقی تھے، زہریلی غذا کھا کر میرا بھلا ہو گیا اور مجھے شفا مل گئی۔ صبح جب میری آنکھ کھلی تو سورج چڑھ آیا تھا اور ڈاکو اپنے کام پر جا چکے تھے۔ میں ریتلی زمین پر پڑا تھا اور مجھے اتنا پسینہ آ چکا تھا کہ اردگرد کی زمین تر تھی۔ آنکھ کھلنے کے تھوڑی دیر بعد مجھے متلی اور قے شروع ہو گئی جس کے ذریعے میرے اندر کا سارا زہریلا مواد خارج ہو گیا اور پیٹ ہلکا پھلکا ہو گیا۔

اسی دوران مجھے بھوک محسوس ہوئی۔ میں نے ان لوگوں سے کھانا مانگا۔ انہوں نے روٹی اور کھجور کا شربت مجھے دیا جسے کھا کر مجھے پھر نیند آگئی۔ میں سو کر اُٹھا تو میں نے خود کو بہت بہتر محسوس کیا۔

بس اسی دن سے میری صحت اچھی ہونا شروع ہو گئی۔ بیس بائیس دن بعد میرا یہ حال تھا کہ رنگ سرخ اور سفید تھا۔ ہاتھ پاؤں کی سوجن دُور ہو چکی تھی اور مرض کا نام و نشان بھی جسم میں باقی نہ تھا۔ اس کے بعد میں نے ان لوگوں سے جانے کی اجازت مانگی جو انہوں نے خوشی سے دے دی بلکہ ساتھ ایک اونٹ، کھجوریں، ستو سے بھرا ہوا ایک تھیلا اور پانی کی چھاگل بھی دے دی۔ میں اس سواری کے ذریعے کسی نہ کسی طرح طرباہ کے نخلستان تک پہنچ گیا، اس کے بعد آگے تمہیں بتانے کی ضرورت نہیں کہ بغداد تک کیسے پہنچا، یہ ہے میری اب تک کی کہانی۔“

عکاشہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا اور قہوے کی پیالی دوبارہ اُٹھالی۔

”تم نے ایک بات نہیں بیان کی دوست۔“ محسن نے کہا۔

”اور وہ یہ کہ یہ درحقیقت ہم دونوں کی دعاؤں کا اثر ہے کہ آج ہماری دوبارہ ملاقات ہو گئی ہے۔ دعا سے تقدیر بدل جاتی ہے۔ اگر ہم ایک دوسرے کے لیے دعا نہ کرتے تو کیسے آج مل پاتے؟“

”تم بالکل ٹھیک کہتے ہو۔“ عکاشہ نے یہ کہا اور دونوں دوست ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگے۔

☆☆☆



جنابِ عالی

سعید لخت

عاشی نے چور نظروں سے باپ کی طرف دیکھا اور پھر قلم پکڑ کر کاپی پر جھک گئی۔ اس کا باپ، نور دین، سامنے چارپائی پر بیٹھا حقہ پی رہا تھا۔ ماں روٹی پکا رہی تھی اور اس کے چھوٹے بہن بھائی، رانی اور پپو کونے میں بیٹھے کھیل رہے تھے۔ کمرے کی چھت کے بیچوں بیچ لالٹین لٹک رہی تھی، جس کی زرد روشنی سے سارا کمرا پیلا لگ رہا تھا۔

عاشی نے دوبارہ اپنے باپ کی طرف دیکھا اور پھر رُک رُک کر لکھنا شروع کیا:

جناب عالی

میں ایک غریب کسان کی بیٹی ہوں۔ میری عمر دس سال ہے۔ مجھے پڑھنے کا بہت شوق ہے لیکن ہمارے گاؤں میں اسکول نہیں ہے۔ میں مسجد کے مولوی صاحب سے پڑھتی ہوں۔ اگر آپ امیر آدمی ہیں تو مجھے اچھی اچھی کتابیں بھیج دیں۔ آپ کی بہت مہربانی ہوگی اور ہاں، میری ماں کہتی ہے کہ اگلے مہینے عید ہے۔ میرے ابا نے پچھلی عید پر میرا ایک جوڑا بنایا تھا۔ اس عید پر بھی میں وہی جوڑا پہنوں گی، کیوں کہ نیا جوڑا بنانے کے لیے میرے ابا کے پاس پیسے نہیں ہیں۔ ابھی پچھلے دنوں بیماری سے ہماری بہت سی مرغیاں مر گئیں۔ میری ماں بہت روئی۔ میں بھی بہت روئی۔ اچھا، اب میں خط ختم کرتی ہوں۔ آپ پڑھتے پڑھتے تھک گئے ہوں گے۔

فقط آپ کی تابع دار

عائشہ ولد نور دین

گاؤں شاہ دی کھوئی، تحصیل وضلع لاہور

خط ختم کر کے اس نے پھر اپنے باپ کی طرف دیکھا۔ وہ حقہ گڑگڑاتے ہوئے چھت کو گھور رہا تھا۔ ماں روٹیاں پکا چکی تھی اور اب ہاتھ دھو رہی تھی۔ تھوڑی دیر میں وہ انہیں روٹی کھانے کے لیے پکارے گی۔ عاشی نے آہستہ سے کاپی سے ورق پھاڑا اور تہہ کر کے مٹھی میں دبا لیا۔ پھر طاق میں سے سوئی دھاگا اُٹھایا اور خط کے کونے میں بڑا سا دھاگا پرو دیا۔ اسی وقت ماں نے آواز دی ”عاشی کے ابا، پپو، رانی۔ آؤ، روٹی کھالو۔“

وہ سب چولہے کے پاس گھیرا بنا کر بیٹھ گئے۔ سرسوں کا ساگ بڑا لذیذ تھا اور مکئی کی روٹیاں بھی بہت مزے دار تھیں۔ کھانا کھا کر نور دین اپنے کسی دوست کے گھر چلا گیا۔ رانی اور پپو رضائی اوڑھ کر لیٹ گئے۔ ماں برتن صاف کرنے لگی۔ عاشی چپکے سے اُٹھ کر صحن میں نکل گئی۔ صحن کے ایک کونے میں ایک چھوٹی سی کوٹھڑی تھی جس میں مرغیاں اور چوزے بند تھے۔


Sayyed
Since 1965
PIANO®
PREMIUM
COLOUR PENCILS
REAL WOOD
With Free Toy
PIANO
12 REAL WOOD COLOUR PENCILS
Piano Colour Pencils Say Rangen Jahan Kar Do!
URL: www.sayyed.com.pk .com/sayyedengineers

ہونہار مصور

بسنت میلہ

تصاویر صرف افقی رخ میں ہی بنائیں۔



مریم ثاقب، راول پنڈی (پہلا انعام 195 روپے کی کتب)



سلمان یوسف سمیجہ، مظفر گڑھ (دوسرا انعام :175 روپے کی کتب)



محمد عبداللہ بن ظفر، لاہور (تیسرا انعام :125 روپے کی کتب)



شیر علی طیب، شیخوپورہ (چوتھا انعام :115 روپے کی کتب)



نورالعین عینی، لاہور (پانچواں انعام :95 روپے کی کتب)

کچھ اچھے مصوروں کے نام بہ ذریعہ قرعہ اندازی: انشاء، فرزین، حویلی لکھا۔ محمد حسن، راول پنڈی۔ میرب فاطمہ، بہاول پور۔ عبدالرحمٰن طاہر، سیال کوٹ۔ مشعال احمد، کامرہ کینٹ۔ محمد دانیال، لاہور۔ فاطمہ بتول، راول پنڈی۔ منیبا عمر، اسلام آباد۔ محمد حماد، راول پنڈی۔ جویریہ طارق، راول پنڈی۔ محمد حسان افضل، لاہور۔ راجا سیف اللہ خان، بہاول پور۔ سید خرم اقبال، لاہور کینٹ۔ ثناء لیاقت، حویلی لکھا۔ ثمن شاپارس، اسلام آباد۔ مقدس جبین، اسلام آباد۔ محمد شمیر سید، لاہور۔ محمد ابراہیم، اسلام آباد۔ جویریہ طارق، راول پنڈی۔ عباد الرحمٰن، مانسہرہ۔ علیاء وسیم، ڈی جی خان۔ فاطمہ نجم، راول پنڈی۔ ارباب سید، لاہور۔ مائرہ حنیف، بہاول پور۔ ازکا شہزادی، چترو۔ ثناء غضنفر، چترو۔ عیشاء رضیاء، چترو۔ عمیلا، اسلام آباد۔ تانیہ عروج، اسلام آباد۔ آمنہ توقیر، کراچی۔ محمد ابراہیم، لاہور۔ محمد حاشر علی، مظفر گڑھ۔

ہدایات: تصویر 6 انچ چوڑی، 9 انچ لمبی اور رنگین ہو۔ تصویر کی پشت پر مصور اپنا نام، عمر، کلاس اور پورا پتہ لکھے اور اسکول کے پرنسپل یا ہیڈ مسٹرس سے تصدیق کروائے کہ تصویر اسی نے بنائی ہے۔

مارچ کا موضوع
مینار پاکستان
آخری تاریخ 8 مارچ

اپریل کا موضوع
کھلونوں کی دکان
آخری تاریخ 8 اپریل


Dont miss a singal one of
your Favourite Paksociety's
Update !
i. Open Paksociety Page.
ii.Click Liked.
iii.Select Get Notifications.
iv.Select See First.
All Done
Liked
Message
Get Notifications
Add to Interest Lists...
Unlike
IN YOUR NEWS FEED
See First
See new posts at the top of News Feed
Default
See posts as usual
Unfollow